انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی —— مدیر: ابوالاعلی سید سبحانی

جلد:۲، شمارہ:۱۱، جولائی ۲۰۱۸ء/شوال المکرّم۔ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی............نئی دہلی

زبیر ملک فلاحی............لکھنؤ

انیس احمد فلاحی............جامعۃ الفلاح

فی شمارہ:	اندرون ملک	۳۰/روپے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون:	اندرون ملک	۳۰۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ:	اندرون ملک	۵۰۰۰/روپے
	بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Ali,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Abul Aala Sayyed**

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلیٰ سید سبحانی	۳
اسلام دین رحمت	ابوالمکارم ازہری فلاحی	۵
اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۳۱)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۱۶
افادات جلیل احسن ندویؒ (۸)	ظفر احمد الاثری	۲۸
مسلم خاتون کا مثالی کردار	محمد محفوظ فلاحی	۳۴
وجودزن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ	عبدالحمید حاکم فلاحی	۴۳
تہذیبی جارحیت اور اسلام	ضمیر الحسن خاں فلاحی	۵۰
خواتین میں اسلامی تحریک	جوہر جاوید	۷۲
آج تم بے حساب یاد آئے!	امتیاز وحید	۷۹
مشاہیر کے خطوط	ادارہ	۸۲
شعر ونغمہ	شرکائے بزم	۸۴
تعارف وتبصرہ	محمد اسعد فلاحی، سعید اختر اعظمی	۸۷
آپ کے خطوط	قارئین	۹۰
جامعہ کے لیل ونہار واخبار انجمن	مصباح الباری فلاحی	۹۲

خط وکتابت وارسال زر کا پتہ

Zeeshan Apartment, F-9, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025

Email: jareedahayatenau@gmail.com

موبائل نمبر (مدیر مسئول): +91-9811126467

موبائل نمبر (مدیر): +91-9891051676

اپنی بات

قرآن مجید کے مطالعہ سے امت مسلمہ کے دوسری اقوام وملل کے ساتھ سماجی تعلقات کی مختلف اہم بنیادوں کی طرف رہنمائی ملتی ہے،ان میں سے ایک اہم بنیاد انسانی عظمت کی پاسداری ہے۔قرآن مجید میں بنی نوع انساں کوایک اکائی کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اوراس کی عظمت کا بار بار اعلان کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِىْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً۔ (اسراء:۷۰)

(یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کوتکریم دی اورانہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔)

یہ بنیاد قرآنی خطاب میں مزید مضبوطی کے ساتھ نظر آتی ہے،اللہ رب العزت کے لیے الہ الناس کا قرآنی خطاب (سورہ الناس:۳)، قرآن مجید کے لیے ھدی للناس کا قرآنی خطاب (البقرہ:۱۸۵)،اوررسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رحمۃ للعالمین (انبیاء:۱۰۷) اورو ما ارسلناك الى كافة للناس بشيرا و نذيرا (ہم نے تم کوتمام ہی انسانوں کے لیے بشیرونذیر بنا کر بھیجا ہے،سبا:۲۸) کا قرآنی خطاب سماجی تعلقات کے سلسلہ میں بھرپور رہنمائی کرتا ہے۔

عام انسانوں کے ساتھ سماجی تعلقات میں انسانی عظمت کا یہ پہلوضرور پیش نظر رہنا چاہیے۔عام انسانی تعلقات اور معاملات میں انسانی عظمت کی پاسداری مختلف سماجوں کے درمیان قربت اوردلوں میں کشادگی کا ذریعہ ہوتی ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں عام انسانوں کی خدمت اورعام انسانوں کی عزت وتکریم کی جومثال ملتی ہے وہ اس سلسلے میں بہترین عملی رہنمائی ہے۔لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہونا، راستہ

چلتے لوگوں کا بوجھ اٹھالینا، لوگوں کے ساتھ خوش دلی اور اپنائیت سے پیش آنا، یہ سب آپؐ کی سیرت پاک کے نمایاں ابواب ہیں۔

انسانی عظمت کی پاسداری کی ایک شاندار مثال صحیحین میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ حضرت سہل بن حُنَیفؓ اور حضرت قیس بن سعدؓ قادسیہ میں تشریف فرما تھے کہ ان کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، اور وہ دونوں اس کے احترام میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے تعجب سے سوال کیا کہ یہ تو ذمیوں کا جنازہ تھا؟ اس پر ان دونوں نے فرمایا:

ان النبیﷺ مرت به جنازة فقام، فقيل انها جنازة يهودی، فقال اليست نفسا۔

نبیؐ کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہوگئے، اور جب کہا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا، تو آپؐ نے فرمایا: کیا وہ انسان نہیں تھا۔

(بخاری، کتاب الجنائز، مسلم کتاب الجنائز)

تمام انسان اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں، اللہ رب العزت نے جس طرح مادی نعمتوں سے یکساں طور پر تمام ہی انسانوں کو مالا مال کیا ہے، اسی طرح اللہ رب العزت کی ہدایت اور تعلیمات بھی تمام انسانوں کے لیے عام ہیں۔

قرآن مجید میں بار بار اس حقیقت کی جانب بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا، اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا اور انہی دونوں سے اس زمین پر بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پھیلا دیں (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء ،سورہ نساء:۱، يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ، سورہ الحجرات:۱۳، وغیرہ وغیرہ)، قرآن مجید کا یہ بیانیہ بھی انسانوں کے درمیان اخوت ومحبت اور بہترین تعلقات کی بنیاد بن سکتا ہے۔ والله ولی التوفيق وهو حسن المآب

(ابوالاعلی سید سبحانی)

اسلام دین رحمت

عربی سے ترجمہ: **ابوالمکارم ازہری فلاحی**، نئی دہلی

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين- نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين، أما بعد!

رسول اللہ ﷺ کو کس لیے بھیجا گیا؟

کیا اللہ نے آپ کو انسانیت کے لیے عذاب اور مصیبت بنا کر بھیجا؟

کیا اللہ نے آپ کو انسانیت کی تباہی وبربادی کے لیے بھیجا؟

کیا اللہ نے آپ پر یہ ذمہ داری ڈالی کہ لوگوں سے ان کے کفر اور سرکشی کا انتقام لیا جائے؟

ان تمام سوالوں کا جواب اللہ تعالی کے اس فرمان میں موجود ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء:۱۰۷)

یعنی ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔

یہی آپ کی رسالت کا مقصد، آپ کی بعثت کی غرض وغایت اور آپ کے انتخاب کا ماحصل ہے۔

یقیناً حضرت محمد ﷺ اللہ عزوجل کی جانب سے اس حیران وپریشان، غافل اور ظالم انسانیت کے لیے رحمت ہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:۱۵۹)

آپ محض اللہ کی رحمت کے باعث ان لوگوں کے لیے نرم دل ہیں، اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو آپ اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے موزوں نہ ہوتے اور ہم آپ پر اس کو پہنچانے کی ذمہ داری نہ ڈالتے۔ کیونکہ صاحب رسالت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نرم دل، مہربان، کشادہ دل، بردبار، بہت صبر کرنے والا اور قوت برداشت رکھنے والا ہو۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! میں سراپا رحمت ہوں جو تمہیں عطا کی گئی ہے۔''

(یہ ابن سعد کی روایت ہے جسے علامہ البانی نے دیگر شواہد کی بنا پر حدیث حسن قرار دیا ہے۔)

آپ ﷺ کے اوصاف بعض دوسری روایتوں میں اس طرح بیان کیے گئے ہیں:

☆ آپ لوگوں مین سب سے زیادہ رحم دل بچوں اور اہل وعیال کے ساتھ تھے۔(صحیح الجامع)

☆ آپ بہت رحم دل تھے، کوئی بھی آپ کے پاس آ کر کچھ طلب کرتا تو اگر وہ چیز آپ کے پاس ہوتی تو اسے عطا فرما دیتے تھے اور اگر نہ ہوتی تو آئندہ کے لیے وعدہ کر لیتے تھے۔(صحیح الجامع)

رحم دلی کی ترغیب

نبی ﷺ نے اللہ کی مخلوق میں سب کے ساتھ رحم دلی اور شفقت کا برتاؤ کرنے کی رغبت دلائی ہے، خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑی، مرد ہوں یا عورتیں، مومن ہوں یا کافر، اور اس کے بہت سے دلائل موجود ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

☆ حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔(متفق علیہ)

☆ حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''تم لوگ ہرگز (کامل) مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم دلی کا برتاؤ نہ کرو۔'' صحابہ کرام نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ہم میں سے ہر ایک رحم دل ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''رحمت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ رحم دلی کا برتاؤ کرو بلکہ عام لوگوں کے ساتھ رحم دلی مراد ہے۔'' (یہ طبرانی کی روایت ہے جسے علامہ البانی نے حدیث حسن کہا ہے۔)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت بہت عام ہونی چاہیے تا کہ تمام لوگ اس میں شامل ہو جائیں خواہ آپ انہیں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: ''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''
(ابوداؤد، ترمذی نے اسے روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

اللہ آپ پر اور مجھ پر رحم فرمائے، ذرا غور کیجیے رسول اللہ ﷺ کے اس قول پر ''تم زمین والوں پر رحم کرو۔'' پھر اس دین کی عظمت کا اندازہ کیجیے جو تمام لوگوں کے لیے رحمت بن کر آیا ہے۔ ہر وہ شخص جو اس زمین پر آباد ہے، وہ اسلام کی نظر میں رحمت کا مستحق ہے۔

کیا اگر وہ کافر ہو پھر بھی؟

ہاں، اگرچہ وہ کافر ہو۔

تو پھر اسلام میں قتال (کافروں سے جنگ کرنا) کیوں جائز کیا گیا ہے؟

قتال ان لوگوں کو ہٹانے کے لیے مشروع کیا گیا ہے جو لوگوں کے اور اللہ کی رحمت کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔(آل عمران:۱۱۰)

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: یعنی لوگوں کے لیے تم بہترین لوگ ہو، تم انہیں زنجیروں میں جکڑ کر لاتے ہو تا کہ انہیں جنت میں داخل کراؤ۔

ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اس نے سختی کا برتاؤ کیا تا کہ وہ لوگ (اپنی غلطی سے) باز آ جائیں، اور جو دانش مند ہوتا ہے اسے کبھی ان لوگوں کے ساتھ سختی بھی کرنا پڑتی ہے جن پر وہ مہربان ہوتا ہے۔''

بلاشبہ اسلام ایسے کینوں اور دشمنیوں کو نہیں جانتا جنہوں نے انسانیت کو اس کے بہت سے مراحل حیات میں ہلاکت کے دہانے تک پہنچا دیا۔

یقیناً وہ سخت اور بے رحم دل جو رحمت وشفقت سے نا آشنا ہوں وہ سچے مومنوں کے دل نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''رحم دلی اس شخص کے دل سے نکال لی جاتی ہے جو بد بخت ہوتا ہے۔'' (یہ روایت ابوداؤد کی ہے، اور علامہ البانی نے اسے حدیث حسن کہا ہے۔)

دوسری عالمی جنگ نے انسانیت کو چھ کروڑ جانوں کا نقصان پہنچایا، جبکہ حال یہ تھا کہ قبریں اپنے باشندوں کے لیے تنگ ہو گئی تھیں، دنیا کے ہر حصے میں موت کی بدبو پھیل چکی تھی، انسانیت خون، کھوپڑیوں اور انسانی اعضاء کے سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جنگ کے سربراہان یہ چاہتے تھے کہ ان کے

دشمنوں کی صفوں میں بڑی سے بڑی تعداد میں شہری لوگ جنگ کا شکار بنیں، اور وہ شہروں کی تباہی وبربادی، اداروں اور عمارتوں پر گولہ باری اور زندگی کے تمام نشانات کوختم کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ طاقت کا استعمال چاہتے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ:

آخر کون سی آزادی یہ لوگ دنیا کو دے سکتے ہیں؟

کون سی آزادی یہ انسانیت کے لیے فراہم کر سکتے ہیں؟

یہ عالمی جنگ کیوں واقع ہوئی؟

اس کے محرکات کیا تھے؟

اس کے اخلاقی اسباب کیا تھے؟

اس کے نتائج وثمرات کیا ظاہر ہوئے؟

جو عظیم تباہی و بربادی ہوئی اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟

ان باتوں کے بارے میں کسی نے نہیں سوچا۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ کے سربراہوں کے دلوں پر خواہشات نفس، کینے اور دشمنی، سنگ دلی اور اپنی قوت کے اظہار کا غرور چھا گیا تھا، جس کے نتیجے میں اس بھیانک عالمی جنگ کے یہ برے نتائج ظاہر ہوئے۔

یہ بات انتہائی تعجب خیز ہے کہ جو لوگ اس بھیانک انسانی خون خرابہ کے مرتکب ہوئے تھے، ان کی اولاد آج اسلام اور مسلمانوں پر سنگ دلی اور بے رحمی کا الزام لگا رہی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو شدت پسندی پر ابھارتا ہے اور قتل و غارت گری، نفرت اور بربادی کی دعوت دیتا ہے۔

یہ ایک ایسا صریح جھوٹ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، نہ تو امر واقع سے اور نہ ہی تاریخ سے۔

نبی ﷺ نے جب حضرت علیؓ کو خیبر کے یہودیوں کی طرف روانہ کیا تو حضرت علی نے آپ سے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں ان سے جنگ کروں جب تک کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ ہو جائیں؟

رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''نرمی کے ساتھ روانہ ہو جاؤ، یہاں تک کہ جب تم ان کے

علاقہ میں پہنچ جاؤ تو انہیں اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اس بارے میں ان پر اللہ کا کیا حق ہے۔ اللہ کی قسم، اگر تمہارے ذریعہ اللہ ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

یہ رسول اللہ ﷺ کی ایک نصیحت ہے اپنے ایک قائد کے لیے، جس میں نہ تو قتل کی دعوت دی گئی ہے نہ خوں ریزی کی ترغیب ہے، بلکہ اس میں جو کچھ ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا ہدایت پا جانا اور انہیں حق پر مطمئن کر دینا اس سے بہتر ہے کہ ان سے جنگ کی جائے اور ان کی موت کفر کی حالت میں ہو۔

جنگ میں اسلام کی رحم دلی کے مظاہر کا پتہ حضرت انس بن مالکؓ کی اس روایت سے بھی چلتا ہے جس میں آپ نے نبی ﷺ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''روانہ ہو جاؤ اور اللہ کے نام سے، اللہ کے بھروسے پر اور رسول للہ کی ملت پر، کسی بوڑھے شخص کو قتل نہ کرنا، نہ کسی چھوٹے بچے کو اور نہ کسی عورت کو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا، سارے مال غنیمت کو جمع کر دینا اور اصلاح و احسان کی روش اختیار کرنا، یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (ابوداؤد)

اب ذرا اس کا موازنہ ان لوگوں کے رویے سے کریں جنہوں نے شہروں کو برباد کر ڈالا، ان کے باشندوں کو ہلاک کر دیا، اور عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو اور کسانوں کو ان کے کھیتوں میں، راہبوں کو ان کی عبادت گاہوں میں قتل کرنے کے لیے ہر قسم کے ایسے اسلحہ استعمال کیے جو بین الاقوامی سطح پر ممنوع ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ نبی ﷺ نے جن جنگوں کی قیادت کی ہے یا جو جنگیں آپ کے زمانے میں لڑی گئیں ان سب میں صرف چند سو کی تعداد میں کافروں کے بڑے سردار قتل کیے گئے، جنہوں نے نبی ﷺ کو تکلیفیں پہنچائی تھیں، آپ کے صحابہ کرام کو قتل کیا تھا، اور ہر جگہ اسلام اور مسلمانوں کو تنگی اور پریشانی میں ڈالا تھا، لیکن نبی ﷺ کے صحابہ کرام نے انہیں تکلیفیں دے کر اور ان کا گھیراؤ کر کے اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی طرف منتقل ہونے پر مجبور نہیں کیا۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ صرف صلیبی جنگوں نے لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور لاکھوں نے بدترین قسم کی سزاؤں اور تکالیف کا سامنا کیا۔

اے رحم دلی کے دعویدارو! رحم دلی کہاں ہے؟

جن لوگوں نے ان بدترین افعال کا ارتکاب کیا ہے آخر انہوں نے اب تک ان سے معذرت کیوں نہیں کی؟

گوستاف لوبون (جو ایک بڑے مستشرق ہیں) کہتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی قومیں عربوں کی طرح رحم دل اور درگزر کرنے والے فاتحین سے ناآشنا ہیں۔ دراصل اسلام ہی نے مسلمانوں کو یہ رحم دلی اور درگزر کرنے کی صفت عطا کی ہے۔ ہم نے جنگوں کی مختلف شکلیں دیکھی ہیں جیسے جنگ افیون (جنگ افیون وہ جنگ ہے جو برطانیہ نے چین پر مسلط کی تھی تاکہ اس کو نشہ آور چیزوں کی تجارت پر مجبور کرے اور چینی قوم کو ان زہریلی چیزوں کے استعمال پر مجبور کرے) اور اس سے زیادہ سخت جدید سامراجی جنگیں ہیں، اور ان سے بھی زیادہ سخت صیہونیت کا ظلم اور اس کی بربریت اور خوں ریزی، سرکشی اور نسل کشی سے ان کا شغف ہے۔'' (سماحۃ الاسلام: ۱۶۷، ۱۶۸)

یہ دو نمونے ہیں، ایک مسلمانوں کی رحم دلی کا اور دوسرا ان کے دشمنوں کی سنگ دلی کا۔ ان دونوں میں کون سا گروہ ایسا ہے جس پر تشدد، قتل وغارت گری اور دہشت گردی کا الزام لگایا جاسکتا ہے؟

شیخ عبدالرحمٰن بن سعدیؒ نے فرمایا: اس دین کے اندر جو رحم دلی، معاملات کی درستگی اور احسان کی دعوت پائی جاتی ہے اور ان کے برعکس چیزوں سے روکا گیا ہے، اسی نے اس دین کو ظلم وزیادتی، معاملات کی خرابی اور حرمتوں کی پامالی کی تاریکیوں کے درمیان روشنی کا مینار بنادیا ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس نے ان لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف کھینچ لیا ہے جو اسے پہچاننے سے قبل اس کے سخت دشمن تھے، یہاں تک کہ وہ اس کے ٹھنڈے سایہ کے نیچے آ گئے۔ یہی وہ دین ہے جس نے اپنے ماننے والوں کے ساتھ نرمی وشفقت کا رویہ اختیار کیا جس کے نتیجے میں رحم دلی، عفو ودرگزر اور احسان سے ان کے دل لبریز ہوگئے اور ان صفات کا اظہار ان کے اقوال واعمال سے ہونے لگا، پھر یہی صفات اس دین کے دشمنوں تک منتقل ہوگئیں یہاں تک کہ وہ اس کے بڑے حامی ومددگار بن گئے اور ان مین سے کچھ تو اپنے حسن بصیرت اور قوت ووجدان کی بناپر اس میں داخل ہوگئے اور کچھ اس کے عدل اور رحم دلی سے متأثر ہوکر اس کے تابع ہوگئے اور اس کے احکام کو اپنے قدیم دین کے احکام سے افضل قرار دیا۔ (الدرۃ المختصرۃ، ص: ۱۰، ۱۱)

بچوں کے ساتھ شفقت و مہربانی

اسلام میں رحمت وشفقت کی مختلف شکلوں میں سے ایک یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ رحم دلی، نرمی اور پیار ومحبت کا برتاؤ کیا جائے اور انہیں تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت

ہے کہ نبی ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بوسہ لیا، اس وقت ان کے پاس اقرع بن حابس بھی موجود تھے، انہوں نے کہا: میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کا بھی بوسہ نہیں لیا۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔'' (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ دیہات کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے کہا: ''کیا تم لوگ اپنے بچوں کا بوسہ لیتے ہو؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں''، انہوں نے کہا: ''لیکن ہم لوگ بخدا ان کا بوسہ نہیں لیتے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے رحمت وشفقت کو نکال لیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟''

یہ ہیں حضرت محمد ﷺ! یہ ہیں وہ جن پر لوگ جھوٹا الزام لگا کر کہتے ہیں کہ ''وہ ایک جنگجو بدو آدمی تھے، جو خون بہانے کے بہت شوقین تھے۔ اور رحم دلی سے ناواقف تھے۔''

ناکام ونامراد ہوئے وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ پر یہ تہمت لگائی اور بہتان تراشی کی۔

حضرت ابومسعود بدریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک غلام کو کوڑے سے مار رہا تھا کہ پیچھے سے ایک آواز سنی: ''اے ابومسعود جان لو''، میں غصہ کی وجہ سے آواز کو پہچان نہ سکا، پھر جب وہ آواز دینے والا مجھ سے قریب ہوا تو اچانک دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو فرما رہے ہیں: ''اے ابومسعود جان لو کہ اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھنے والا ہے، جتنی تم اس غلام پر قدرت رکھتے ہو۔'' میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول یہ اللہ کی راہ میں آزاد ہے۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سن لو! اگر تم ایسا نہ کرتے تو آگ کی لپیٹ میں آجاتے، یا آگ تمہیں چھو لیتی۔'' (مسلم)

جو تنظیمیں بچوں کو تکلیف دینے کی مخالفت کے مقصد سے بنائی گئی ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ نبی ﷺ کی اس فضیلت کا اعتراف کریں جو آپ کو بچوں کے حقوق کی حفاظت اور انہیں ایذا رسانی سے بچانے کے سلسلہ میں حاصل ہے۔ اور ان تنظیموں کو چاہیے کہ اپنے دروازوں پر یہ احادیث نبویہ لکھ کر لٹکا لیں جن میں بچوں کے ساتھ رحمت وشفقت، نرم دلی اور احسان کی روش اختیار کرنے پر ابھارا گیا ہے۔

نبی ﷺ کا بچوں کے ساتھ رحمت وشفقت کا یہ حال تھا کہ ان کی جدائی پر آپ رو پڑتے تھے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کے نواسے کو لایا گیا جبکہ وہ موت کی آغوش میں جا رہے تھے۔ رسول اللہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ حضرت سعد نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے

دلوں میں رکھ دی ہے، اور اللہ اپنے بندوں میں رحم کرنے والوں پر ہی رحم کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

نبی ﷺ اپنے بیٹے ابراہیم کے پاس گئے جبکہ ان کی روح پرواز کر رہی تھی، انہیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول کیا آپ کی بھی یہ کیفیت ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ جذبۂ رحمت ہے، پھر آپ نے دوبارہ فرمایا: آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غم زدہ ہوتا ہے لیکن ہم تو بس وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو، اور اے ابراہیم! یقیناً ہم تیری جدائی پر بہت غمگین ہیں۔'' (متفق علیہ)

عورت کے ساتھ رحم دلی

عورتوں کے ساتھ رحم دلی کا برتاؤ اسلام کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس پر ہر زمانے میں مسلمان فخر کرتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے کسی غزوہ میں ایک مقتول عورت کو دیکھا تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (مسلم)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ (عورت) ایسی نہیں ہے کہ اس سے جنگ کی جائے۔ پھر آپ نے صحابہ کرام کی طرف دیکھا اور ان میں سے ایک صحابی سے فرمایا: خالد بن ولید کے پاس جا کر کہو کہ وہ بچوں کو ہرگز قتل نہ کرے، نہ کسی مزدور کو اور نہ کسی عورت کو۔ (یہ احمد اور ابوداؤد کی روایت ہے)

نیز آپؐ نے فرمایا: اے اللہ میں دو کمزور لوگوں کے حق کے سلسلہ میں سختی کروں گا، یتیم اور عورت۔ (یہ روایت نسائی کی ہے اور علامہ البانی نے اسے حدیث حسن کہا ہے۔)

اس حدیث میں آپؐ نے عورت کو کمزور قرار دیا ہے، جس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اس پر رحم کیا جائے، اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، احسان کا رویہ اختیار کیا جائے اور اسے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

اب ذرا اس کا موازنہ ان لوگوں کی بکواس سے کریں جو اسلام پر تشدد اور عورت کے خلاف امتیاز برتنے کا الزام لگاتے ہیں۔

جانوروں کے ساتھ رحم دلی

اسلام میں رحم دلی کا دائرہ انسان سے آگے بڑھ کر بے زبان جانور تک جا پہنچتا ہے، چنانچہ اسے

بھی اسلام نے رحمت وشفقت اور احسان میں سے بڑا حصہ عطا کیا ہے۔حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگئی، اس نے اسے باندھ رکھا تھا، نہ اسے کھلاتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی۔(متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی ایک کنویں کے قریب پہنچا اور اس میں اتر کر پانی پیا، کنویں کے اوپر ایک کتا تھا جو پیاس کی وجہ سے زبان لٹکائے ہوئے تھا، اس آدمی کو اس پر رحم آ گیا، اس نے اپنا ایک موزہ اتارا اور اس کے ذریعہ کتے کو پانی پلایا، اللہ نے اس کے اس عمل کی قدر کی اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔(متفق علیہ)

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی انسان کسی گوریا یا اس سے بڑے کسی جانور کو بغیر حق کے قتل کرتا ہے تو اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے متعلق اس سے سوال کرے گا۔کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا حق یہ ہے کہ اسے ذبح کر کے کھالیا جائے، ایسا نہ ہو کہ اس کا سر کاٹ کر اسے پھینک دیا جائے۔(یہ نسائی کی روایت ہے اور علامہ البانی نے اسے حدیث حسن کہا ہے۔)

یہ اس شخص کے متعلق ہے جو بغیر حق کے ایک گوریا کو مار دیتا ہے، تو آخر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو کسی انسان کو بغیر حق کے قتل کر دیتا ہے؟ اس کی کیا سزا ہوگی اور اس کے لیے کیسی وعید ہوگی؟

جانور کے ساتھ اسلام کی رحم دلی کی ایک مثال یہ ہے کہ اس نے جانور کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ ہدایت دی ہے کہ ذبح کرتے وقت اسے خوفزدہ نہ کیا جائے۔چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی نے ہر چیز میں احسان کا طریقہ اختیار کرنا لازم قرار دیا ہے، جب تم قتل کرو تو قتل کرنے میں احسان کا طریقہ اختیار کرو، اور جب ذبح کرو تو اس میں بھی احسان کا طریقہ اختیار کرو۔ذبح کرنے والا اپنی چھری کو تیز کرلیا کرے اور اپنے ذبیحہ کو تکلیف سے بچائے۔(مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک بکری کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا، پھر اس کے سامنے ہی چھری تیز کرنے لگا۔تو نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تو چاہتا ہے کہ اسے کئی بار موت سے دوچار کرے؟ تم نے اسے لٹانے سے پہلے ہی اپنی چھری کو تیز کیوں نہ کرلیا۔؟ (اسے طبرانی اور حاکم نے روایت کیا اور علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔)

کہاں ہیں جانوروں کے ساتھ نرمی کے نام پر بننے والی تنظیمیں، ان بہترین آداب نبوی کے

مقابلہ میں؟اور یہ لوگ کیسے انکار کر سکتے ہیں اسلام کی فضیلت اور عظمت کا جبکہ اسلام ان سے چودہ صدی قبل آیا تھا؟ دراصل یہ لوگ ابھی تک حق اور ناحق میں فرق نہیں کر سکے، اور اسلامی طریقے سے ذبح کرنے کو ایک قسم کی سنگ دلی قرار دیتے ہیں۔ یہ ذبح کے اسلامی طریقے کے بے شمار فوائد سے ناواقف ہیں۔ یہ لوگ اپنے ذبیحوں کو بجلی سے بے ہوش کر دیتے ہیں یا ان کے سروں پر ضرب لگاتے ہیں جس سے وہ مر جاتے ہیں، پھر انہیں ذبح کرتے ہیں اور اس کو جانوروں کے ساتھ رحم دلی سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی کے سامنے وحی الٰہی کے ذریعہ آئی ہوئی ہدایت و رہنمائی نہیں ہوتی تو وہ اسی طرح بے سوچے سمجھے کام کرتا ہے اور اس پر خواہشات نفس کا غلبہ ہو جاتا ہے، وہ (ایک عربی مقولہ کے مطابق) ہر سفید چیز کو چربی اور ہر سیاہ چیز کو کھجور سمجھنے لگتا ہے اور ان چیزوں کے ذریعہ دوسروں پر فخر کرتا ہے جو درحقیقت قابل مذمت اور ناقص ہیں، لیکن خواہشات کی آنکھ اندھی ہوتی ہے۔

ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ومـــن يك ذافـــم مـــر مـــريـــض

يـــجـــد مـــرا بـــه الـــمـــاء الـــزلالا

یعنی جس کا منہ ہی کڑوا اور مریض ہوتا ہے اسے صاف و شیریں پانی بھی کڑوا لگتا ہے۔

جانوروں کے ساتھ رحم دلی کا ایک عجیب واقعہ حدیث میں ملتا ہے کہ نبی ﷺ انصار میں سے ایک صحابی کے باغ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک اونٹ نظر آیا، اس نے جب نبی ﷺ کو دیکھا تو درد بھری آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آئے اور اس کی گردن پر ہاتھ پھیرا، تب وہ خاموش ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ اونٹ کس کا ہے؟

انصار کا ایک نوجوان سامنے آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول یہ میرا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس چوپایہ کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس کا اللہ نے تمہیں مالک بنایا ہے؟ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور برابر اس سے سخت محنت کا کام لیتے ہو۔ (اسے امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا اور علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

نبی ﷺ کی رحمت و شفقت اتنی عام تھی کہ جمادات بھی اس میں شامل ہو گئے تھے۔ آپ جب خطبہ دیتے تھے تو کھجور کے ایک تنے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، پھر جب آپ کے لیے منبر بن کر

تیار ہوگیا اور اس پر کھڑے ہوکر خطبہ دینے لگے تو کھجور کا تنا رونے لگا اور صحابہ نے اس کی آواز سنی، نبی ﷺ ممبر سے اتر آئے اور تنے پر اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ وہ پرسکون ہوگیا۔ (بخاری)

یہ ہے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی رحمت وشفقت، یہ ہیں آپ کے احساسات وجذبات، یہ ہے آپ کا حسن سلوک، یہ ہیں آپ کے اصول ومبادی جن کی طرف آپ نے دعوت دی ہے۔

پھر آخر تم لوگ اس فضیلت و بڑائی کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اور تمہیں اس بہترین ومنفرد شخصیت کے اندر انسانیت کا بلند ترین درجہ کیوں نظر نہیں آتا؟

کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

قد تنکر العین ضوء الشمس من رمد

وینکر الفم طعم الماء من سقم

آنکھ آشوب چشم کی وجہ سے کبھی سورج کی روشنی کا بھی انکار کردیتی ہے، اور منہ کبھی بیماری کی وجہ سے پانی کا مزہ بھی محسوس نہیں کرتا۔

(عربی تحریر: خالد ابو صالح)

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۳۱)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، ای میل:mohiuddin.ghazi@gmail.com

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اورعظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

----

(۱۳۶) غنم کا ترجمہ

غنم کا لفظ قرآن مجید میں تین جگہ آیا ہے، اس لفظ کے اندر بھیڑ اور بکری دونوں شامل ہوتے ہیں،
(الغنم) القطيع من المعز والضأن. المعجم الوسيط (۶۶۴/۲)

صرف بھیڑ کے لیے ضأن اور صرف بکری کے لیے معز آتا ہے، قرآن مجید میں مذکورہ ذیل ایک مقام پر دونوں ایک ساتھ استعمال ہوئے:

ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ۔ (الانعام:۱۴۳)

(یہ بڑے چھوٹے چارپائے) آٹھ قسم کے (ہیں) دو (دو) بھیڑوں میں سے اور دو (دو) بکریوں میں سے (یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ)۔ (فتح محمد جالندھری)

ھشت جفت آفریدہ است: از گوسفند دو جفت و از بز دو جفت. (خرمدل)

Eight pairs: Of the sheep twain, and of the goats twain. (Pickthall)

(Take) eight (head of cattle) in (four) pairs: of sheep a pair, and of goats a pair; (Yusuf Ali)

اس آیت کے ترجمے میں ایک غلطی عام طور سے ہوئی ہے اور وہ یہ کہ ثمانیۃ أزواج کا ترجمہ آٹھ جوڑے یا آٹھ قسمیں کیا گیا ہے، حالانکہ قسمیں یا جوڑے چار ہیں، البتہ ان چار قسموں کے افراد یا چار جوڑوں کی جوڑیاں آٹھ ہیں۔ اس پہلو سے اوپر درج کئے گئے ترجمے تصحیح طلب معلوم ہوتے ہیں۔ آٹھ قسم، ہشت جفت، Eight pairs لفظ کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے۔

اس آیت کے ترجموں کو یہاں ذکر کرنے سے یہ واضح کرنا بھی مقصود ہے کہ عربی کے ان دونوں الفاظ یعنی ضأن اور معز کے مختلف زبانوں میں متبادل الفاظ کیا ہیں۔ ان دونوں الفاظ کے مقابلے میں غنم کا لفظ چونکہ ضأن اور معز یعنی بھیڑ اور بکری دونوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس لیے اس کا ترجمہ صرف بھیڑ یا صرف بکری کرنے سے لفظ غنم کا حق ادا نہیں ہوتا ہے۔

مندرجہ ذیل تینوں آیتوں کے ترجموں کا اس پہلو سے جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

(۱) وَعَلَى الَّذِينَ هَادُواْ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ۔ (الانعام:۱۴۶)

''اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گایوں اور بکریوں سے ان کی چربی حرام کر دی تھی سوا اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا اوجھڑی میں ہو یا ہڈی میں ملی ہو'' (فتح محمد جالندھری)

''(این چیزھائی بود کہ برشما حرام کردہ ایم) و بر یھودیان ھر (حیوان) ناخنداری (یعنی: درندگان کہ دارای پنجہ ھای قوی، و پرندگان شکاری کہ از چنگال نیرومند برخوردارند) حرام کردہ بودیم، واز گاو و گوسفند (تنھا) پیہ ھا و چربیھای آنھا را برآنان حرام نمودہ بودیم، مگر پیہ ھا و چربیھائی کہ بر پشت اینھا یا در اندرونہ (و لابلای احشاء و امعاء) قرار دارد و یا پیہ ھا و چربیھائی کہ آمیزہ ی استخوان گردیدہ است'' (خرمدل)

Unto those who are Jews We forbade every animal with claws. And of the oxen and the sheep forbade We unto them the fat thereof save that upon the backs or the entrails, or that which is mixed with the bone. (Pickthall)

For those who followed the Jewish Law, We forbade every (animal) with undivided hoof, and We forbade them that fat of the ox and the sheep, except what adheres to their backs or their entrails, or is mixed up with a bone. (Yusuf Ali)

(۲) وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ۔ (الانبیاء:۷۸)

''اور داؤد اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک کھیتی کا مقدمہ فیصلہ کرنے لگے جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئی (اور اسے روندگئی) تھیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے'' (فتح محمد جالندھری)

''(و یاد کن) داود و سلیمان را، ھنگامی کہ دربارہ ی کشتزاری کہ گوسفندان مردمانی، شبانگاھان در

آن چریده وتباهش کرده بودند، داوری می کردند، وما شاهد داوری آنان بودیم“ (خرمدل)

And remember David and Solomon, when they gave judgment in the matter of the field into which the sheep of certain people had strayed by night: We did witness their judgment. (Yusuf Ali)

And David and Solomon, when they gave judgment concerning the field, when people's sheep had strayed and browsed therein by night; and We were witnesses to their judgment.(Pickthall)

(۳) قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَى غَنَمِي۔ (طہ:۱۸)

”انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔اس پر میں سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں“ (فتح محمد جالندھری)

”پاسخ داد کہ این عصای من است و برآن تکیہ می کنم و با آن گوسفندانم را می رانم و برای آنھا برگ می ریزم“ (خرمدل)

He said: This is my staff whereon I lean, and wherewith I bear down branches for my sheep, (Pickthall)

He said, "It is my rod: on it I lean; with it I beat down fodder for my flocks;" (Yusuf Ali)

مذکورہ بالا ترجموں کو دیکھنے پر ایک بڑی اہم اور دلچسپ بات سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ تمام اردو مترجمین غــنــم کا ترجمہ بھیڑ نہیں کر کے بکری کرتے ہیں، اور تقریباً تمام انگریزی مترجمین اس کا ترجمہ Sheep کرتے ہیں جس کے معنی بھیڑ کے ہیں، اور تمام فارسی مترجمین اس کا ترجمہ گوسفند کرتے ہیں، جو بھیڑ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر ذہن اس طرف جاتا ہے کہ ہندوستان میں بھیڑ کے مقابلے میں بکری کا رواج زیادہ ہے، اس لیے ترجمہ کرتے وقت اس کا اثر زیادہ رہا، جبکہ دوسرے علاقوں میں بھیڑ کا رواج ترجمہ پر اثر انداز رہا۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی کا خیال ہے کہ مذکورہ تینوں مقامات پر غــــنــــم کا ترجمہ مویشی یا ریوڑ یا ''بھیڑ بکری'' ہونا چاہیے، تاکہ لفظ میں موجود معنی کی وسعت میں کوئی کمی واقع نہیں ہو۔ غنم ترجمہ کرتے وقت بھیڑ اور بکری دونوں کا ذکر کرنے کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ قرآن مجید میں (جیسا کہ اوپر گزرا) ایک مقام پر صراحت کے ساتھ بھیڑ اور بکری دونوں کا خصوصیت کے ساتھ الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۳۷) اولیاء کا ترجمہ

أولیاء کا لفظ ولی کی جمع ہے، جس کا اصل مطلب دوست ہے، فیروز آبادی لکھتے ہیں:

الـوَلْيُ: القُرْبُ والدُّنُوُّ، المَطَرُ بَعْدَ المَطَرِ، وُلِيَتِ الأرضُ، بالضم۔ والوَلِيُّ: الاسمُ منه، والمحبُّ، والصديقُ والنصيرُ۔ القاموس المحيط

بعض مقامات پر اس کا ترجمہ لوگوں نے معبود اور کارساز وغیرہ بھی کیا ہے، لیکن کبھی محل کلام خود تقاضا کرتا ہے کہ اس لفظ کا ترجمہ دوست کیا جائے، کوئی اور ترجمہ وہاں مناسب نہیں ہوتا۔ اس حوالے سے ذیل کی دونوں آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

(۱) وَيَـوْمَ يَـحْشُـرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ أَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هَؤُلَاء أَمْ هُـمْ ضَـلُّـوا السَّبِيْـلَ۔ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِیْ لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاء وَلَكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاء هُمْ حَتَّى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْماً بُوراً۔ (الفرقان:۱۷،۱۸)

''اور وہ وہی دن ہوگا جبکہ (تمہارا رب) اِن لوگوں کو بھی گھیر لائے گا اور ان کے اُن معبودوں کو بھی بُلا لے گا جنھیں آج یہ اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہیں، پھر وہ اُن سے پوچھے گا ''کیا تم نے میرے اِن بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ یا یہ خود راہِ راست سے بھٹک گئے تھے؟'' وہ عرض کریں گے ''پاک ہے آپ کی ذات، ہماری تو یہ بھی مجال نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مولا بنائیں مگر آپ نے اِن کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامانِ زندگی دیا حتیٰ کہ یہ سبق بھول گئے اور شامت زدہ ہوکر رہے'' (سید مودودی)

قَـالُـوا سُبْـحَـانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِیْ لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاء کے مزید ترجمے حسب ذیل ہیں:

''وہ کہیں گے کہ پاک ہے تیری ذات ہمیں یہ حق نہیں تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مولا بنائیں'' (محمد حسین نجفی)

''وہ عرض کریں گے پا کی ہے تجھ کوہمیں سزاوار (حق) نہ تھا کہ تیرے سوا کسی اور کو مولیٰ بنائیں'' (احمد رضا خان)

''کہیں گے تو پاک ہے ہمیں یہ کب لائق تھا کہ تیرے سوا کسی اور کو کارساز بناتے'' (احمد علی)

''وہ کہیں گے تو پاک ہے ہمیں یہ بات شایان نہ تھی کہ تیرے سوا اوروں کو دوست بناتے'' (فتح محمد جالندھری)

''وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں ہی یہ زیبا نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے'' (محمد جونا گڑھی)

(۲) وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعاً ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاء إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ۔ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ۔ (سبا: ۴۰، ۴۱)

''اور جس دن وہ لوگوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا (پوچھے گا) کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات! تو ہمارا آقا ہے نہ کہ وہ (ہمارا تعلق تجھ سے ہے نہ کہ ان سے) بلکہ یہ تو جنات کی عبادت کیا کرتے تھے ان کی اکثریت انہی پر ایمان و اعتقاد رکھتی تھی'' (محمد حسین نجفی)

قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم کے مزید ترجمے حسب ذیل ہیں:

''تو وہ جواب دیں گے کہ ''پاک ہے آپ کی ذات، ہمارا تعلق تو آپ سے ہے نہ کہ اِن لوگوں سے''۔ (سید مودودی)

''وہ عرض کریں گے پا کی ہے تجھ کو تو ہمارا دوست ہے نہ وہ'' (احمد رضا خان)

''وہ کہیں گے تو پاک ہے تو ہی ہمارا دوست ہے۔ نہ یہ'' (فتح محمد جالندھری)

''وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے اور ہمارا ولی تو تو ہے نہ کہ یہ'' (محمد جونا گڑھی)

''وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ہے ان کے بالمقابل تو ہمارا کارساز ہے'' (امین احسن اصلاحی)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب سوال ان سے کیا جائے گا جن کو لوگ معبود مانتے تھے، تو وہ جواب میں یہ کیوں کہیں گے کہ ہم نے تیرے سوا کسی کو مولا یا سر پرست یا کارساز نہیں بنایا۔ مولی یا سر پرست یا کارساز تو انہیں معبود بنانے والوں نے بنایا تھا، اس سلسلے میں صفائی تو معبود بنانے والوں کو پیش کرنی ہوگی، یہاں تو جن کو معبود بنایا گیا انہوں نے اپنی طرف سے یہ وضاحت پیش کی ہے کہ ہم نے

ان سے کوئی دوستی نہیں کی جس کی وجہ سے ہم پر انہیں اس طرح کی کوئی شہ دینے کا کوئی الزام آئے۔

غور طلب بات یہ بھی ہے کہ اکثر حضرات نے دوسری آیت میں ولی کا ترجمہ دوست کیا ہے، لیکن انہیں لوگوں نے پہلی آیت میں اولیاء کا ترجمہ دوست کرنے کے بجائے مولی اور کارساز کیا۔

غرض لفظ کا تقاضا بھی یہی ہے، اور پورے کلام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دونوں مقامات پر دوست ترجمہ کیا جائے۔

(۱۳۸) کلمات کا ترجمہ

مذکورہ ذیل دونوں آیتوں میں کلمات کا لفظ آیا ہے، صاحب تدبر نے اس کا ترجمہ نشانیاں کیا ہے، بعض نے اس سے صفتیں مراد لیا ہے، بعض نے باتیں ترجمہ کیا ہے۔ مولانا امانت اللہ اصلاحی کی رائے ہے کہ لفظ آلاء کی طرح کلمات کا ترجمہ ''کرشمے'' کرنا زیادہ مناسب ہے۔

(۲) وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (لقمان: ۲۷)

''روئے زمین کے (تمام) درختوں کے اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے، بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور باحکمت ہے'' (محمد جوناگڑھی، یہاں تمام سمندروں کے بجائے سمندر ہونا چاہئے)

''اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی بیشک اللہ عزت و حکمت والا ہے'' (احمد رضا خان)

''اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو خدا کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں۔ بیشک خدا غالب حکمت والا ہے'' (فتح محمد جالندھری)

''اور اگر زمین میں جو درخت ہیں وہ قلم بن جائیں اور سمندر سات سمندروں کے ساتھ (روشنائی بن جائیں) جب بھی اللہ کی نشانیاں قلم بند نہیں ہو سکتیں۔ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے'' (امین احسن اصلاحی)

(۲) قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ

جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَداً۔ (الکہف:۱۰۹)

’’کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لئے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہوجائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور (سمندر) اس کی مدد کو لائیں‘‘ (فتح محمد جالندھری)

’’کہہ دیجئے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہوجائے گا، گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں‘‘ (محمد جوناگڑھی)

’’اے محمدؐ، کہو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہوجائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں، بلکہ اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے‘‘ (سید مودودی)

’’کہہ دو اگر میرے رب کی نشانیوں کو قلم بند کرنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کی نشانیوں کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہوجائے گا اگرچہ ہم اس کے ساتھ اسی کے مانند اور سمندر ملا دیں‘‘ (امین احسن اصلاحی)

دوسری آیت میں (لو کان) آیا ہے، اس کے لحاظ سے ترجمہ ماضی کا ہونا چاہئے، نہ کہ مستقبل کا جیسا کہ عام طور سے مترجمین نے کیا ہے، درست ترجمہ یوں ہوگا: کہہ دو اگر میرے رب کی نشانیوں کو قلم بند کرنے کے لیے سمندر روشنائی بن جاتا تو میرے رب کی نشانیوں کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہوجاتا اگرچہ ہم اس کے ساتھ اسی کے مانند اور سمندر ملا دیتے۔

(۱۳۹) باء کا ایک خاص استعمال

علمائے لغت کے قول کے مطابق حرف باء کم وبیش چودہ معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مولانا امانت اللہ اصلاحی کے نزدیک ان مفہوموں کے علاوہ قرآن مجید میں کچھ مقامات پر حرف باء مزید ایک خاص مفہوم میں استعمال ہوا ہے، ذیل میں مثالوں کے ذریعہ اسے واضح کیا جائے گا:

(۱) یَا أَیُّهَا الَّذِیۡنَ آمَنُواۡ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِصَاصُ فِیۡ الۡقَتۡلَی الۡحُرُّ بِالۡحُرِّ وَالۡعَبۡدُ بِالۡعَبۡدِ وَالۡأُنثَی بِالۡأُنثَی۔ (البقرۃ:178)

آیت کے اس ٹکڑے کا ترجمہ حسب ذیل کیا گیا ہے:

''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے'' (محمد جونا گڑھی)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے، اور عورت اِس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے'' (سید مودودی)

''اے ایمان والوں تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت'' (احمد رضا خان)

''مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے (اس طرح پر کہ) آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت'' (فتح محمد جالندھری)

عام طور سے ترجمہ کرنے والوں نے باء کا ترجمہ بدلہ کیا ہے، لیکن اس میں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مقتول آزاد ہو اور قاتل غلام ہو تو آزاد کے بدلے آزاد کس طرح ہوگا، اگر مقتول عورت ہو اور قاتل مرد ہو تو عورت کے بدلے عورت کس طرح ہوگا۔ غرض اس طرح کے کئی اشکالات سامنے آتے ہیں۔

ان ترجموں کے مقابلے میں مولانا امانت اللہ اصلاحی کے ترجمہ پر غور فرمائیں:

''تم پر مقتولین کے سلسلے میں برابری کرنا فرض کیا گیا ہے، آزاد کی حیثیت آزاد کی ہے، غلام کی حیثیت غلام کی ہے، اور عورت کی حیثیت عورت کی ہے''۔

مطلب یہ ہوا کہ مقتول کی جو اصولی حیثیت ہے اس کے مطابق یکساں معاملہ کیا جائے، اور اس میں کچھ بھی کمی بیشی نہیں کی جائے۔

آیت کے اس ترجمہ کی رو سے یہ آیت دیت کے سلسلے میں رہنمائی کرتی ہے، کہ ہر مقتول کی دیت اس کی اصولی حیثیت کے مطابق برابر ہونی چاہیے۔ اس آیت میں تین طرح کے مقتولین کا ذکر ہے، جن کا خوں بہا الگ الگ ہوتا ہے۔ کسی بھی اونچ نیچ کا اعتبار کر کے ایسا کرنا جائز نہیں ہے کہ آزاد مقتول کی دیت غلام والی طے کر دی جائے، یا غلام مقتول کے لیے آزاد والی دیت کا مطالبہ کیا جائے، یا مقتول عورت ہو اور مطالبہ مرد والی دیت کا کیا جائے۔ اس طرح کی غیر اصولی اونچ نیچ سے دیت کا پورا نظام

متاثر ہوگا، اور یہ کسی طرح انسانی معاشرے کے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔ برابری کے اصول کو برتنے میں ہی انسانوں کے لیے زندگی ہے۔

اس ترجمہ سے آیت کا بعد والا ٹکڑا (فمن عفي له من أخيه شيء) اس پہلے والے ٹکڑے سے اچھی طرح مربوط ہو جاتا ہے، اور اس کی معنویت بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

مفسرین اور مترجمین عام طور سے قصاص سے مراد قتل کا بدلہ قتل لیتے ہیں، حالانکہ قصاص قرآن مجید میں ہر جگہ برابری کرنے کے مفہوم میں آیا ہے۔

(۲) الشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمَاتُ قِصَاص۔ (البقرۃ:194)

''ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہی ہے اور تمام حرمتوں کا لحاظ برابری کے ساتھ ہوگا'' (سید مودودی)

''ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام اور ادب کے بدلے ادب ہے'' (احمد رضا خان)

''حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے اور سب قابلِ تعظیم باتوں کا بدلہ ہے'' (احمد علی)

''ادب کا مہینہ ادب کے مہینے کے مقابل ہے اور ادب کی چیزیں ایک دوسرے کا بدلہ ہیں'' (فتح محمد جالندھری)

''حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادلے بدلے کی ہیں'' (محمد جوناگڑھی)

یہاں بھی ترجمہ کرنے والوں نے عام طور سے باء کا ترجمہ بدلہ کیا ہے، تاہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہونے کا کیا مطلب ہے، آیا یہ مطلب ہے کہ مشرکین کسی ماہ حرام کی بے حرمتی کرتے ہیں تو مسلمان بھی کسی ماہ حرام کی بے حرمتی کر سکتے ہیں؟ یہ مفہوم مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے، مشرکین اگر ماہ حرام کی بے حرمتی کرتے ہیں تو اس سے اہل ایمان کو کسی دوسرے ماہ حرام کی بے حرمتی کا جواز تو نہیں ملے گا۔ زیادہ سے زیادہ مشرکین کی زیادتی کا مقابلہ کرنے کی اجازت رہے گی۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی ترجمہ کرتے ہیں: ''ماہ حرام کی حیثیت ماہ حرام کی ہے، اور تمام حرام چیزیں (سب کے لیے) برابر ہیں'' مطلب یہ ہوا کہ ماہ حرام اور دوسری تمام حرام چیزوں کی حرمت سب کے لیے یکساں ہے، ایسا نہیں ہے کہ دوسرے لوگوں سے ان کی حرمت کی پاسداری کا مطالبہ کیا جائے اور مشرکین مکہ کو ان کی بے حرمتی کرنے کا جواز حاصل ہو۔ اس طرح جو مفہوم سامنے آتا ہے وہ عام مفہوم سے پیدا ہونے والے تمام اشکالات کو دور کر دیتا ہے۔

(۳) وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ۔ (المائدۃ:45)

''توراۃ میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ'' (سید مودودی)

''اور ہم نے توریت میں ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بدلہ ہے'' (احمد رضا خان)

''اور ہم نے ان لوگوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے'' (فتح محمد جالندھری)

''اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے'' (محمد جونا گڑھی)

یہاں بھی عام طور سے لوگوں نے باء کا مطلب بدلہ لیا ہے، اور اس کی وجہ سے بڑے اشکالات سامنے آتے ہیں۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: اور ہم نے ان لوگوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا ہے کہ جان کی حیثیت جان کی ہے، اور آنکھ کی حیثیت آنکھ کی ہے، اور ناک کی حیثیت ناک کی ہے، اور کان کی حیثیت کان کی ہے، اور دانت کی حیثیت دانت کی ہے، اور تمام زخموں کے بدلے برابر برابر ہیں۔

اس ترجمہ کی رو سے یہ آیت بھی دیت کے سلسلے میں رہنمائی کرتی ہے۔ اس آیت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ جو چیز تلف ہوئی ہے اسی چیز کی دیت واجب الادا ہوگی، اس میں کسی طرح کی نابرابری نہیں ہوگی۔

باء کے اس خاص استعمال کا تذکرہ ہمیں اہل لغت کے یہاں نہیں ملتا ہے، تاہم مندرجہ بالا آیتوں

میں اس مفہوم کو اختیار کرنے سے آیت کا مفہوم بہت واضح ہو جاتا ہے، اور اس کو اختیار کرنے سے آیت میں کسی طرح کا اشکال نہیں رہ جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل روایت میں بھی باء کا یہی مفہوم لینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

اُلبِکْرُ بالبکر جلد مائَة وتغریب عَام وَالثیب بِالثیب جلد مائَة وَالرَّجم۔ (مشکاۃ المصابیح)

اس روایت کا مشہور ترجمہ تو یہ ہے کہ بکر بکر کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، اور ثیب ثیب کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے اور سنگسار کرنا ہے۔ تاہم اس ترجمہ میں بعض بڑے اشکالات ہیں جیسے کہ اگر ثیب بکر کے ساتھ زنا کرے تو ان دونوں کی سزا کیا ہوگی۔

مولانا امانت اللہ اصلاحی کے نزدیک اس کا ترجمہ یوں ہوگا: بکر کو بکر والی سزا ملے گی، یعنی سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی، اور ثیب کو ثیب والی سزا ملے گی، سو کوڑے اور سنگسار کرنا۔

انما الأعمال بالنیات میں بھی باء اسی مفہوم کے لیے ہے، ترجمہ ہوگا کہ اعمال ویسے ہی ہوں گے جیسی نیت ہوگی۔

افادات جلیل احسن ندویؒ (۸)

ظفر احمد الاثری، لندن،ای میل:asarizafar@hotmail.com

سورہ ابراھیم

سورہ الرعد میں جو توحید کا مضمون بیان ہوا ہے یہاں وہی ہے لیکن اس میں زیادہ زور ہے اور یہ ہجرت کے قریب نازل ہو رہی ہے۔

(آیت۱) ظلمات سے نکال کر۔[الی الصراط] نور سے بدل ہے۔توحید کا راستہ، وہ مقتدر اعلی ہے اور اقتدار ظلم سے نہیں کرتا۔

(آیت۲)[الله]عطف بیان ہے۔

(آیت۳) جو لوگ نور کی طرف نہیں آئیں گے انھیں سزا دے گا اور یہ لوگ اس کی وجہ سے واویلا کریں گے۔[في ظلال بعيد] گمرہی میں ڈوب گئے ہیں۔گمرہی کی حد ہوگئی ہے۔

(آیت۴) ناطقا[بلسان قومه][عزيز حكيم] اقتدار کو عدل وعلم کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔اگر سزا دے گا تو بالکل ٹھیک ٹھیک سزا دے گا۔اور ایسا اتمام حجت کرنے کے بعد کرے گا۔اسی سے مجازات پر استدلال کرتا ہے۔

(آیت۵) موسیٰ کا واقعہ حالات سے موافق ہونے کی وجہ سے سنایا جا رہا ہے۔اور مخالفت کرنے والے یہود بھی ہیں[بلسان] تا کہ وہ اتمام حجت کرے، وہ اسی کی زبان میں سمجھائے گا۔

[آیاتنا]توحید ومعاد کی آیتیں، احکام اور ان کے دلائل[بایام]قوموں کی نجات اور ہلاک کے دن کو یاد دلاؤ۔ یہ تقریر صحرائے سینا میں ہو رہی ہے، اور تورات ملنے کے بعد، اس لیے اب بھی ان کے اندر کچھ نہ کچھ قلب پر اس کا اثر ہوتا ہے۔

[انّ]ان مکہ والوں کے لیے تسلی کا پہلو ہے کہ یہ اللہ کی سنت رہی ہے کہ اللہ ایک گروہ کو نجات دیتا ہے اور دوسرے گروہ کو ہلاک کرتا ہے۔

[اخرج قومک من الظلمات]کبھی یہ فقرہ اس لیے آتا ہے کہ مشرکین شرک سے توبہ کر کے نور یعنی توحید کی طرف آئیں اور کبھی مومنین کے لیے آتا ہے، اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جو ان کے اندر خرابی ہے اس کا تزکیہ کریں اور ہر کھوٹ سے انھیں پاک کریں۔[لکل] لکل مؤمن صبور شکور فی مکۃ۔

(آیت۶) اس کے احسان کو ہمیشہ یاد کرو تا کہ اس کا ذکر کر سکو۔

(آیت۷)[تاذن] صاف صاف بتلانا (آیت۸) ان تکفروا .... لا تضروا االله شیئا بل یضرکم[غنی حمید]اگر ناشکری کی راہ پر ہو تو سزا دے گا۔ اور سزا دینے میں کسی کا محتاج نہیں، مارنے کے لیے اکیلا کافی ہے۔ اور ایسا کر کے قابل ستائش فعل کرے گا۔

(آیت ۵-۸) سینا کی تقریر ہے، آزاد علاقے میں آ گئے ہیں اور مسلمانوں کی ہجرت قریب ہے، اس لیے اشارہ دیا جا رہا ہے کہ تم بھی نجات پاؤ گے، بظاہر اس کے آثار کچھ نہیں نظر آ رہے ہیں لیکن ایسا ہوگا۔ اور یہ کہ نجات حاصل کرنے بعد شکر کرو گے تو وہ تم کو مزید عطا فرمائے گا۔

(آیت ۸-۱۵) رسول کے پیروکار اور رسول نجات پاتے ہیں اور رسول کو ستانے والے دنیا ہی میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں ہوتا ہے۔

[فردوا ایدیھم فی افواھھم] غصہ اور اچنبھے کی وجہ سے، ملی جلی کیفیت کی وجہ سے ہچکچائے، تعجب کا پہلو اس میں یہ ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے یہ شخص پیش کر رہا ہے۔

[یؤخر] قومی عمر کو بڑھا دے گا۔ (آیت۱۰)[ترید ان تصدونا] قوم کو بھڑکانے کے لیے یہی چیز بہت کافی ہے۔

(آیت ۱۱) بشریت اور نبوت میں فرق نہیں ہے بلکہ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ ہمیشہ سے یہی چلا آ رہا ہے[بسلطان]معجزہ لانا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ ان کان المؤمنون یتوکلون فلیتوکل علیہ المؤمنون۔ نبی نے اپنے پیروکاروں کو یہ سمجھایا ہے کہ اسی پر بھروسہ کرو، یہ لوگ اپنی طاقت واقتدار پر بھروسہ کرتے ہیں۔

(آیت۱۲)[ھدانا] ہمیں اس نے ہر مرحلہ میں ہدایت دی ہے، ہم اسی پر صبر کریں گے اور ایذاء رسانی کی وجہ سے ہم دعوت کو ترک نہیں کر سکتے ہیں۔

(آیت۱۳)[فأوحی] یہ اللہ تعالیٰ کا جواب ہے کہ وہ انھیں تباہ کر دے گا اس بات پر کہ انھوں

نے کہا کہ ہم رسولوں کو نکال دیں گے۔

(آیت۱۴) زمین کی خلافت دیں گے۔[**ذلک الوعد**] زمین کی میراث دیں گے۔

(آیت۱۵) مطالبہ کے ساتھ ہی ختم کر دیے گئے یہ دنیا میں ہوتا ہے۔اگلی آیتوں میں آخرت کی بدانجامی کا بیان ہے۔

(آیت۱۶) [**وراء ہ**] آگے آگ ہے۔[**صدید**] پیپ ملا ہوا خون۔

(آیت۱۷) آسانی سے نہیں گھونٹ پیے گا،موت نہ ہوگی۔معلوم ہوگا کہ موت ہوگئی ہے لیکن ایسا نہیں ہوگا۔[**ساغ، یسیغ**] وجدہ لذیذا۔[**وراء ہ**] صرف توہین اور اذلال نہیں ہوگا بلکہ عذاب بھی ہوگا۔

(آیت۱۸) ان کے اعمال کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔راکھ کی طرح ان کے اعمال اڑ جائیں گے۔ اس کو جزائے حسن نہیں ملے گا۔[**ضلال**] اس سے بڑی اور کیا ناکامی ہوگی ان کے اعمال راکھ کی طرح اڑا دیے جائیں گے۔یعنی ان کی کوئی وقعت نہ ہوگی۔

(آیت۱۹) اب صاف صاف طریقے سے مخاطب ہوا جا رہا ہے۔[**بالحق**] عدل۔پوری کائنات عدل وانصاف پر قائم ہے،اگر تم اسے نہیں مانو گے تو ہلاک کر دیئے جاؤ گے اور مومنین کو اٹھائے گا،تم بے ایمان ہو،اپنے شاکر بندوں کو لاکر کھڑا کروں گا۔

(آیت۲۰) ہمیشہ ایسا کرتا رہا ہے اور اب بھی ایسا کرے گا۔

(آیت۲۱) [**برز**] **خرج الی البراز ای الفضاء**.[**تبعا**] ہر بات کو مانتے تھے،ہر چیز سے روکتے تھے،آج تم ہماری بات سنو۔

(آیت۲۲) یعنی ابلیس سردار اعظم ان کا مذاق اڑائے گا[اور اپنے ماننے والوں سے اظہار برأت کرے گا]۔[**لما قضی**] جب سب لوگ جہنم جا چکے ہوں گے اس دن ان کا مذاق اڑائے گا۔[**مصرخ**] مدد کرنے والا،ہم دونوں اسی جہنم میں ہیں۔[**انی**] ہم نے تمھیں شریک کرنے کے لیے کہا تھا۔کہنا یہ ہے کہ جو لوگ اپنا ولی شیطان کو بناتے ہیں وہ ایک نہ ایک دن انہیں دھوکہ دے گا۔

(آیت۲۳) لیکن جو لوگ اللہ تعالی کو ولی بنائیں گے وہ ان کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔[**ادخل**] **باذن ربھم**،اس ابدی کامیابی پر مبارک باد دیں گے۔

[مثلاً] بدل کلمۃ سے۔[**کلمۃ**]کلمہ توحید[**شجرۃ**] جس کا پھل میٹھا ہو،اور جس کی جڑ جمی ہو۔

اور میٹھی اور جمی ہوئی جڑ کھجور ہی کی ہوتی ہے۔مومنین '' کلمة طيبة'' کی مثال ہیں،جنھیں اکھاڑا جارہا ہے۔ان سے کہا جارہا ہے کہ یہ تمھیں اکھاڑ کر پھینک نہیں سکتے۔

(آیت ۲۶)[خبيثة] شرک کی مثال ہے، یہ خراب درخت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین بھی خبیث ہے اور بیج بھی خبیث ہے۔کلمہ خبیثہ کے علمبرداروں کو اسی طرح اکھاڑ پھینکا جائے گا۔اور مومنین جو کلمہ طیبہ کے علمبردار ہیں وہ زمین پر بااقتدار ہوں گے۔

(آیت ۲۷)[قول ثابت] ،مومنین کلمہ طیبہ یا قول ثابت پر ایمان لائے ہیں۔اور اللہ تعالی انھیں کامیاب کرے گا۔دین وحق کے مخالفوں کو اللہ ناکام بنائے گا۔ان کو دنیا وآخرت میں پچھتانا پڑے گا۔یہاں بھی اور وہاں بھی۔[و يفعل]اس کی مشیت یہی ہے کہ ان کو ناکام کردے اور مومنین کو کامیاب کرے۔ایسا ہی کرے گا،ایک طرف انذار ہے دوسری طرف تسلی ہے۔

(آیت ۲۸)ان کے حال پر تعجب کرنا ہے،انھیں موحد ہونا چاہیے تھا لیکن وہ کفران نعمت کررہے ہیں، یہ لیڈر لوگ ہلاکت میں لے کر جائیں گے۔

(آیت ۳۰)جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جو ان کے قریب میں ہیں۔[قل] بنعيم الله.

(آیت ۳۱)مومنین کو ہدایات دی جارہی ہیں[خلال]اسم المصدر مخالة ،دوستی۔

(آیت ۲۸۔۳۱)دونوں کا اخروی انجام بیان ہوا ہے۔

(آیت ۳۲۔۴۱) یہ لوگ اللہ کے ناشکرے ہیں،ان کو کعبہ کی تولیت پر قائم نہیں رکھا جائے گا۔ انھوں نے دین ابراہیمی کو بدل ڈالا ہے اور اس کی جگہ ایک نیا دین گھڑ لیا ہے۔

(آیت ۳۳)[داب] کسی کام کو مسلسل کرنا۔

(آیت ۳۴)تمام محتاج اشیاء عطا کیں۔[سألتموه]محتاج تھے[نعمة الله]عام نعمتیں۔

کفار اللہ کے ناشکرے ہیں،عدل کے بجائے ظلم کررہے ہیں۔ان میں سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ انہیں جو سب سے بڑی نعمت کعبہ ملی ہے اور ان کے ہاتوں میں ہے اس کے ساتھ ظلم کررہے ہیں۔ اس کا جو صحیح استعمال ہے وہ نہیں کررہے ہیں۔

(آیت ۳۵)اب بتلایا جارہا ہے کہ یہ گھر کس نے بنایا تھا،تمہارے جدامجد نے اس کی تعمیر کی تھی۔ اور تعمیر کی بنیاد یہی تھی کی بنو اسماعیل موحد بن کر رہیں اور اس کے لیے نماز پڑھیں،لیکن تمہارا حال اس کے برعکس ہے۔تم ناخلف ہو،اسے اصل کام میں استعمال نہیں کرتے ہو،اس لیے اب تمہیں حق نہیں پہنچتا

کہ تم اس کے متولی بن کر رہو۔ اس کے اصلاً حقدار مؤمنین ہیں۔ [اذ] مفعولیہ [بلد] علاقہ۔ یہ دعا گھر بنانے کے بعد کی ہے۔ اس وقت ہر جگہ شرک ہو رہا ہے۔

(آیت ۳۶) جو لوگ نافرمانی کریں گے انھیں سزا دیں گے۔

(آیت ۳۷) اہل ایمان میں سب لوگ آ جائیں گے۔ [ذریتی] یہ لفظ ذریہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مقید ہوتا ہے تو اس سے مراد بنو اسماعیل ہوتے ہیں۔ بنو اسرائیل بنو اسحاق کے نام سے جانے جاتے ہیں، یہ دوسری شاخ ہے، ان کا سارا فخر یعقوب اور اسحاق پر ہے۔

[یقیموا] جو توحید کی عملی شکل ہے۔ توحید کا پیغام دنیا بھر میں سنائیں۔

(آیت ۳۷) [من الناس تھوی] تسرع الیھم. [لعلھم] یزدادون شکراً.

(آیت ۳۸) اخفی پر علی آتا ہے تو انفاق کے معنی میں ہوتا ہے، امام فراہیؒ نے یہی مراد لیا ہے۔

(آیت ۳۸) جو ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ بنایا اور نماز قائم کی ان سب کو ہم جانتے ہیں۔

(آیت ۴۰) توحید پر ہمیشہ قائم رہو۔

(آیت ۴۱) انتقال کی خبر ملی ہو تو بند کر دیا ہو، انتقال سے پہلے کا یہ معاملہ رہا ہو۔۔ یہ لوگ شکر کے جذبے سے بے قرار ہیں، ابراہیمؑ نے کعبہ کو کتنے پاک مقصد سے بنایا تھا۔ لیکن تم لوگوں نے کعبہ کو شرک سے بھر دیا ہے تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ کعبہ کے متولی بنے رہو، اور اب یہ تولیت مومنین کی طرف منتقل ہو گی۔

(آیت ۴۳) سخت انذار ہے، نبی کو نکالنے کی سازشیں کر رہے ہیں اس سے وہ ناواقف نہیں ہیں۔

[شخص] آنکھیں کھلی ہوئی ہیں لیکن نگاہ نہ جمتی ہو گی۔

[مقنعی] پتہ نہیں کہ وہ کہاں جا رہے ہوں گے۔ [لا یرتد] آنکھ نہیں جھپکے گی۔

[ھواء] اضطراب بھرا ہو گا۔ یہ آخرت میں ہو گا۔

(آیت ۴۴) [الناس] مفعول اول [یوم القیامة] مفعول ثانی۔

[الی اجل قریب] تھوڑی دیر دنیا میں جانے کا موقع دے دے۔ [من زوال] قیامت نہیں آئے گی۔

(آیت ۴۵) اس کے بعد تمہیں وراثت ملے گی۔ [تبین] اس سے کوئی عبرت نہیں حاصل کی۔

(آیت ۴۶) ان کے مکر کا استحکام بتلایا جا رہا ہے، ایسی محکم تدبیر کی ہے اس علاقے کے پہاڑ نکل جائیں۔ ہلاک کرنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔

(آیت ۴۷) وہ ہمیشہ رسولوں کی مدد کرتا ہے، تو آج بھی اس رسول کے خلاف سازش کی جا رہی ہے، اس لیے اس کی مدد کی جائے گی۔ اور اللہ کی تدبیر کامیاب ہوگی۔ اس لیے اللہ کی تدبیر ان سے چھپی ہوئی ہے اور تمہاری تدبیر اللہ سے نہیں چھپی ہوئی ہے۔ اس لیے وہ تمہاری تدبیر کاٹ کر کے اپنی تدبیر کو غالب کرے گا۔

[ان] وہ مقتدر اعلیٰ ہے۔ اور مظلوم کا انتقام لے گا۔

(آیت ۴۸۔۵۱) آخرت کی رسوائی کا ذکر ہے، یعنی اس دن ایک دوسرا عالم ہوگا۔ ایک دوسری کائنات ہوگی۔ اور وہاں شفاعت نہ ہوگی، واحد قہار کے سامنے حساب کے لیے آئیں گے۔

(آیت ۵۰) **لیجزی** کا تعلق **یأتیهم** سے ہے۔ جلد محاسبہ ہوگا۔ [**هذا**] قرآن [**بلاغ**] نصیحت، **لینصحوا**.

[**اله واحد**] توحید ہے۔

مسلم خاتون کا
...... مثالی کردار ......

محمد محفوظ فلاحی، جامعۃ الحکمہ، بھوپال
موبائیل نمبر: 07970074460

عورت خِلقت کے اعتبار سے کمزور جسم وجان رکھنے والی ہستی ہے۔ اسی کے ساتھ وہ ایک پر کشش چمکتا ہیرہ بھی ہے۔ اگر انسانوں کا مزاج منصفانہ اور ہمدردانہ ہو تو وہ کمزور وجود کو سہارا دے گا۔ باپ ہے تو اس کی تربیت کرے گا۔ شوہر ہے تو وہ اسے اپنی حفاظت فراہم کرے۔ جنتی عورت کی پُرکشش شخصیت کو تمثیلی پیرائے میں بیان کیا گیا ہے:

وہ ایسی جیسے کہ چھپائے ہوئے انڈے ہوں، بیض مکنون۔ یا ایسی جیسی کہ موتی، مونگے اور ہیرے ہوں کأنهن الياقوت والمرجان۔ حدیث میں یہی تشبیہ کچھ یوں ہے کہ وہ شیشہ کے آبگینہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں جارہے تھے، لوگ ذرا تیز تیز چلنے لگے تو آپ نے فرمایا: رویدا القواریر یعنی دھیرے چلو، خیال رکھو ساتھ میں یہ شیشہ کے آبگینے ہیں۔

ان تشبیہات میں عورت کی شخصیت کے دو پہلو بیان کیے گئے ہیں پھوٹ جانے اور ٹوٹ جانے کا اشارہ کمزوری کا ہے اور سفیدی، اور شفافیت کا اشارہ حسن وجمال کا ہے۔

جنتی عورت کو دنیا میں عورتوں کے لیے ایک ماڈل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان کی شرم وحیا اور عفت کو جن الفاظ میں ڈھال کر پیش کیا ہے وہ یہ ہیں:

قاصرات الطرف عين۔

(یعنی ان پر شرم وحیا ایسی چھائی ہوگی کہ وہ اپنی نگاہیں نیچے کیے ہوئے ہوں گی۔)

حور مقصورات في الخيام۔

(وہ گوری چٹی اور بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی جو خیموں جیسی قیام گاہوں میں محصور و محفوظ ہوں گی۔)

خیرات حسان۔

(انتہائی حسین ہوں گی، حسان یعنی خوب رو اور ظاہری شکل وشباہت میں دل لبھانے والی۔)

اس سے پہلے جو صفت آئی وہ مقدم ہے وہ خیرات ہے یعنی خوب سیرت اور اچھی صفات اور اچھے کردار کی عورتیں۔

اعلی صفات و کردار

یہ ہے جنتی عورت کا ماڈل، یہ وہ روپ ہے جس میں ڈھل کر دنیا کی عورتیں جنت میں پہنچیں گی۔ جنت ان کے لیے ہے جو اس خبر کو یقینی طور پر حق سمجھیں اور اپنے آپ کو ان صفات کا حامل بنائیں جو ہمارے رب کو ہم سے مطلوب ہیں۔ دنیا میں عورت کو دیا گیا موزوں لقب المحصنات ہے۔ حضرت مریم کی صفت بیان کی گئی ہے وہ عصمت وعفت کی حفاظت ہی ہے والتی احصنت فرجھا۔ المحصنات کا لقب سورہ النساء میں کئی بار استعمال ہوا ہے۔

آج 'تہذیب نو' کے مدعیان کے سامنے عورت کے کئی لاینحل مسائل ہیں جو حل ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ جس بات کا بڑا غلغلہ ہے وہ ہے تحفظ نسواں، قرآن پاک کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وما أوتیتم من العلم الا قلیلا یعنی تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے، اتنا کم کہ حواس سے تو کچھ سامنے کی چیزوں کی جانکاری حاصل ہوسکتی ہے اور بس۔ اللہ تعالی نے فرمادیا: ومالھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن وما تھوی الأنفس انّ الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ (انہیں اس کا یقینی علم تو حاصل نہیں ہے۔ محض وہ قیاس اور اندازہ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، حقیقت تو یہی ہے کہ ان کی یہ قیاس وگمان پر مبنی جانکاری کوئی حیثیت نہیں رکھتی حقیقت اور یقینی علم پر مبنی جان کاری کے مقابلہ میں۔)

یقینی علم وحی الٰہی ہے

ان مسائل سے متعلق لوگوں کے پاس جو علم ہے وہ کچھ نہیں کے زمرے میں ہے۔ اس کا علم صرف خالق کائنات کے پاس ہے۔ خود خدائے ذوالجلال نے فرمادیا ہے کہ ان علینا للھدی فاما یأتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولاھم یحزنون۔ جب حقیقتاً انسان کوتاہ عقل اور کم علم ہے تو اس کا کوئی برتر حل ہونا چاہیے تو باری تعالی کی طرف سے فضل ومہربانی کا پروانہ آجاتا ہے۔ ''یہ

ذمہ داری ہم نے لی ہوئی ہے کہ ہم تمہیں زندگی کے ہر معاملے میں صحیح رہنمائی دیں گے۔ بس تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ جب بھی میری یہ ہدایت تم تک پہنچ جائے تم اس کی پیروی کرنا۔ جوکوئی اس ہدایت نامہ کی روشنی میں اپنی پوری زندگی گزارے گا تو اسے پھر نہ ڈرنا ہے اور نہ غم زدہ ہونا ہے''۔

عورتوں کے مسائل

قرآن مجید میں ہر ایک کے لیے زندگی کے سارے امور میں جو جامع تعلیمات آئی ہیں ان میں سے عورتوں سے متعلق تعلیمات کا مختصراً تذکرہ کیا جائے گا۔ تا کہ حقوق نسواں کا ڈھنڈھورا پیٹنے والوں اور مساوات مرد وزن کا نعرہ لگانے والوں کے سامنے دین حق کی تعلیمات نکھر کر آ جائیں۔ ان میں سے ایک حجاب، دوسرا طلاق اور تیسرا وراثت کا مسئلہ ہے۔

پردہ اور حجاب کا مسئلہ

عورت جسم و جان کے اعتبار سے کمزور ہے، اسے تحفظ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اس کے جسم کی خلقت، آواز کا آہنگ خود زینت اور پرکشش ہے۔ اگر اس کو چھپایا نہیں جائے گا تو یہ تباہ کن فتنہ بن جائے گا۔ مرد اپنے جسم و جان کی بناوٹ میں مضبوط اور قوی ہے۔ تغلب اس کی جبلی صفت ہے۔ اس کے بڑھے ہوئے شہوانی جذبات کو حالات کی سازگاری کی ایک چنگاری بھی آتش فشاں بنا سکتی ہے۔ یہ مسلمات ہیں جن پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اب عورت کو شیطانوں نے ان کے حصہ کا رول دیا ہوا ہے کہ انہیں بن سنور کر زینت و آرائش سے دلوں کو لبھانا ہے۔

یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورت کی فطرت تحفظ چاہتی ہے اور معاشرے کی پاکیزگی عورت کی عفت، پاک دامنی اور حیا سے متعلق ہے۔ اب اس سے متعلق خالق فطرت کا فرمان سنئے: لا تدخلوا بیوتا غیربیوتکم / لا تدخلوها حتی یوذن لکم / وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا هو أزکی لکم ''کسی کو اپنے گھر کے علاوہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہیں ہونا ہے / گھروں میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ اجازت لے لو / اگر واپس ہونے کے لیے کہا جائے تو پلٹ جاؤ، یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے''۔

غض بصر و حفظ فروج کا حکم

مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے غض بصر اور حفظ فروج کا حکم ہے: قل للمومنین یغضوا من ابصارهم و یحفظوا فروجهم / قل للمومنات یغضضن من ابصارهن و یحفظن فروجهن۔ یہ

ان سب کے لیے زیادہ پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔آج کے ماحول میں ابلیسی نظریات نے ان تمام باتوں کو معمولی بنادیا ہے۔

بد کاری پر سو کوڑے یا سنگ ساری کی سزا

قرآن پاک کی نظر میں اس صورت میں دونوں مجرم ہیں اور دونوں کے لیے حکم ہے: فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة۔ ''ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو'' حدیث پاک میں ہے کہ اگر وہ شادی شدہ ہوں تو دونوں کو سنگ سار کر دو۔

معاشرے کو پاکیزہ بنانے کے احکام

معاشرے کو پاکیزہ بنانے، عورت کو محفوظ کرنے کے لیے مزید احکام دیے گئے ہیں۔عورت کی ذمہ داری ہے کہ اپنے تحفظ اور معاشرے کی پاکیزگی کے لیے وہ اپنے حسن و جمال اور زینت و آرائش کو چھپائے اور اپنے آپ کو ہوس پرستوں کا کھلونا بنانے سے بچائے۔کیسی واضح تعلیمات دی گئی ہیں۔اللہ فرماتا ہے: لا يبدين زينتهن / وليضربن بخمرهن على جيوبهن / ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى / يدنين عليهن من جلابيبهن (عورت سرتا پیر زینت ہی زینت ہے، کیسے وہ اپنے جسم کے کسی بھی حصہ کی نمائش کرسکتی ہے؟ کیسے اس کا گلا کھلا ہوسکتا ہے اور کیسے آستینیں چھوٹی ہوسکتی ہیں؟ عورت کا لباس، اس کے بال، اس کے ہاتھوں میں لگی مہندی اور اس کے زیورات جو وہ پہنتی ہے، حتی کہ برقع بھی اگر وہ رنگین اور چمکیلا ہو تو وہ بھی زینت ہے۔تو اس طرح زینت کی ان ساری چیزوں کو چھپانا ہے۔یہ ہیں، لا يبدين زينتهن کے معنی۔آگے مزید یہ بات فرمادی کہ سر، گردن، سینہ پر دوپٹہ یا اوڑھنی ڈالے رہیں۔وليضربن بخمرهن ۔گھر کے محرم افراد کے سامنے وہ اپنی زینت کھول سکتی ہے الا ما ظهر منها ۔تیسری آیت میں فرمایا کہ تم جیسا جاہلیت اولی یعنی پہلی جاہلیت کے دور میں بناؤ سنگار کرتی تھیں ویسا بناؤ سنگار مت کرو۔اب یہ جاہلیت آخری یا جاہلیت جدیدہ کا دور ہے جس میں یہ لت اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے تو اس لت سے اپنے آپ کو بچاؤ۔اوپر بیان کردہ آخری آیت میں صریح طور پر باہر نکلتے وقت پردہ کا حکم ہے۔

جِلباب جس کی جمع جلابیب ہے اس سے مراد ایسی ڈھیلی ڈھالی چادر ہے جس سے سر اور چہرہ کا بیشتر حصہ اور پورا بدن ڈھک جائے۔بعد کے زمانے میں اس کی مناسب شکل برقع رائج ہوگئی ہے، مقصود ہے پورے بدن کا ڈھانکنا اور جمہور علماء کے نزدیک تو عام حالات میں چہرہ بھی ڈھانکنا ہے۔

بحالت مجبوری طلاق دینا

اب ہم لیتے ہیں ایک دوسرے مسئلہ کو، وہ ہے طلاق کا مسئلہ۔ معاشرہ اس بات کو ہمیشہ سے ایک ضرورت سمجھتا رہا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت ضابطہ کے مطابق ایک بندھن میں بندھ جائیں، اسی کو نکاح کہا جاتا ہے۔ جو لوگ انسان کے بنائے ضابطوں کو اصل مانتے ہیں ان کے یہاں ضابطہ بند ذمہ داریوں کے بار کو لینے والے بندھن سے ہٹ کر بھی تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔ دین حق میں سارے آزاد شہوت رانی کے راستے مسدود ہیں۔ قرآن میں ہے: محصنين غير مسافحين و لا متخذى أخدان / محصنات غير مسافحات و لا متخذات أخدان۔ کھلے عام زنا کاری اور چوری چھپے شہوت رانی عورت مرد دونوں کے لیے حرام اور ممنوع ہے۔ حیات انسانی یا نسل انسانی کو باقی رکھنے، انسانی تمدن کو جاری رکھنے اور اپنی فطری ضرورت پوری کرنے کے لیے اس رشتہ و تعلق کو قائم کرنے کا حکم دیا۔ مرد کے لیے لازم ہے کہ واجب مہر ادا کر کے عورت اور خاندان کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے سر لے۔ و لأمة مومنة خير / ولعبد مومن خير۔ کم حیثیت اور اموال و اشیاء کی ملکیت سے خالی ایک لونڈی یا غلام نکاح کے زیادہ لائق ہے باحیثیت، مالدار اور ایمان سے عاری شخص سے۔ جس طرح نکاح ایک ضرورت ہے، اس کو انجام پانے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے، انتہائی سادہ طریقے سے یہ عمل میں آجاتا ہے، جب تم نے ان کا مہر ادا کر دیا ہو، اذا آتيتموهن أجورهن۔ اسی طرح یہ بھی ایک ضرورت ہے کہ اگر کسی سبب سے عورت اور مرد میں ناچاقی ہو گئی ہے، زندگی میں کسی سبب وہ راحت حاصل نہیں جو نکاح کی غرض ہے تو اس بندھن سے آزاد ہونا بھی آسان ہونا چاہیے۔ حکمت کا تقاضا ہے کہ تعلق کے انقطاع کا معاملہ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیے۔ فوجداری نہیں بلکہ سول اور نجی جھگڑے بھی اگر ایک مرتبہ عدالت میں پہنچ جائیں تو وہاں کاغذات کے طومار اور فائلوں کے انبار میں مسائل دب کر کچھ غائب ہو جائیں گے، کچھ بہت عرصہ کے بعد دبے ہوئے ڈھیر سے نکلیں گے اور کچھ چل بسنے کے بعد نکل کر آئیں گے۔ پھر وکیل چکر لگوائیں گے اور رقم اینٹھیں گے۔ اس لیے اللہ نے اس فیصلہ کا اختیار مرد کو دے دیا ہے اور کچھ معمولی اور واجبی شرطوں کے ساتھ عورت کو بھی خلع کا حق دیا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد نے زبان تالو سے لگائی اور ایک ہی سانس میں تین طلاق کہہ کر چھٹی کر دی۔ اس حرکت کو نامحمود، مکروہ اور بدعت یعنی نامانوس اور مسلم روایت سے ہٹ کر من مانی ڈگر اختیار کرنا کہا گیا ہے۔

طلاق میں مدت اور تعداد کی قید

ضابطہ طلاق کو قرآن پاک میں دیگر معاشرتی مسائل کے مقابلہ میں تفصیل سے بتایا گیا ہے۔عموماً عرب میں رواج یہ تھا کہ بیوی کو معلق چھوڑے رکھنا کوئی معیوب نہیں تھا۔اسی طرح جتنی بار طلاق دی جائے ،اس کی گنتی لا حاصل تھی ۔قرآن پاک نے ان باتوں کی اصلاح کر دی۔ بیوی کو اپنے سے دور رکھنا اگر اصلاح اور تنبیہ کے لیے ہے،ایذاء اور مضرت کے لیے نہیں ہے تو اس کی تحدید ہونی چاہیے۔قرآن مجید نے اس کی تحدید کر دی کہ یہ مدت صرف چار مہینہ کی ہے۔اس کے بعد لامحالہ طلاق دینا ہے، یہ عورت کی ضرورت اور اس کے لیے فائدہ مند ہے۔ للذين يولون من نسائهم تربص أربعة أشهر ۔ اسی طرح طلاق اپنی مرضی سے جب چاہا دے دی اور جب چاہا رجوع کر لیا،اس کو بھی محدود کر دیا الطلاق مرتان ۔بس دو بار رجوع کرنے کا حق دیا ہے۔تیسری بار میں یہ حق ختم۔اب عورت کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ ایسے مرد کے ساتھ نہ رہے جو نہ اس کی عزت نفس کا خیال کرتا ہے اور نہ اس کے حقوق ادا کرتا ہے۔اس ضابطہ کے تحت مرد کے مطلق اختیار کو مقید اور پابند سلاسل بنا دیا گیا۔

طلاق مرد کو دیناہے لیکن سوچ سمجھ کر

طلاق مرد کو دینا ہے، طہر کی حالت میں دینا ہے، وقفہ میں دینا ہے اور تین ماہ عورت کو عدت گزارنا ہے۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ گھر ایک تنظیمی یونٹ (ادارہ) ہے۔اس یونٹ کو بہتر انداز میں چلانے کے لیے اختیار اور فیصلہ ایک ہی شخص میں مرکوز کیا جاتا ہے۔اگر اختیار میں یکساں برابر کی شرکت ہوگی تو مسائل بڑھ جائیں گے۔ اگر نظم کا بکھرنا ایک ضرورت ہے تو اس کی تحدید ہونی چاہیے تاکہ بلاضرورت یہ نظم نہ بکھرے۔قرآن پاک میں ہے:فان عزموا الطلاق / ان طلقتم النساء، ان آیات میں طلاق کی نسبت مرد کی طرف کی ہے یعنی طلاق کا مطلق اختیار مرد کو ہے۔دوسری بات یہ ہے طلاق حیض کی حالت میں نہیں دینا ہے۔حیض کی حالت عورت کے معمول کی حالت سے مختلف ہوتی ہے اور مرد کے لیے بھی ایک طرح کی قدغن لگی ہوتی ہے،اس لیے حکم یہ ہے کہ فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة ۔یعنی طلاق دینے کا وقت ایسا ہو کہ اس میں عدت کا شمار کرنا ممکن اور آسان ہو اور یہ حالت طہر کی ہوتی ہے۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ طلاق کا اچھا اور بہتر ضابطہ یہی ہے جس کو حسن اور احسن کہا گیا ہے۔ سوچ سمجھ کر طلاق دینا ہے۔ایک طلاق دے کر چھوڑ دیں یا اگر دینا چاہیں تو دو طلاق دے کر چھوڑ دیں،

اس شکل مین تین مہینہ کے اندر رجوع ہوسکتا ہے اور اگر تین مہینے گزر گئے ہیں تو از سر نو مہر مقرر ہوکر اور دوبارہ شرائط طے ہوکر نکاح ہوسکتا ہے۔ تین طلاق کے بعد نہ رجوع ہوسکتا ہے نہ دوبارہ نکاح۔ طلاق کا یہ طریقہ حکیمانہ ہے جس میں غور وفکر اور نظر ثانی کا کافی موقع رہتا ہے۔ اب ایک بات اور لازم ہے کہ تین ماہ عورت کو عدت گزارنا ہے شوہر کے گھر میں، وہ اس کے آس پاس موجود رہے، میلان طبع کے لیے یہ حالت کافی ہے۔

عورت کو خلع کا حق

اگر عورت کو شکایت ہے اور وہ پلہ جھاڑ نا چاہتی ہے تو اس کو ذرا مشروط طور پر خلع کی اجازت ہے۔ یہ بھی اس لیے کہ وہ یہ فیصلہ کافی سوچ سمجھ کر لے محض جذبات میں آ کر نہ لے۔ جن معاشروں میں یہ ہتھیار دوطرفہ ہے یعنی طلاق کا اختیار دونوں کو حاصل ہے وہاں خاندانوں کے بکھرنے کی رفتار کافی تیز ہے۔ فان خفتم أن لا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به۔ اگر اندیشہ یہ ہو جائے کہ اس رشتہ میں اللہ کی طرف سے عائد کردہ حقوق اور ذمہ داریاں نہیں نبھائی جارہی ہیں تو اس شکل میں بیوی کچھ دے دلا کر اپنا پیچھا چھڑالے گی۔ قانون کی مداخلت کی اس میں کچھ اڑچن آجاتی ہے ورنہ تو معاملہ صرف یہ ہے کہ ابھی تک ساری ذمہ داریاں مرد اٹھار ہا تھا اب کیونکہ وہ خود ادائیگی حق سے پلہ جھاڑ رہی ہے، اس لیے اسے زندگی میں پہلی بار قانوناً زیادہ سے زیادہ مہر کے بقدر ہرجانہ دینا پڑے گا۔ یہ ہے خلع جو اسے مرد سے چھٹکارا دلا دے گا۔

وراثت میں عورتوں کی حصہ داری

اب ہم تیسرے مسئلہ کو لیتے ہیں، یہ ہے وراثت کا مسئلہ۔ عورتوں کی ملکیت کا معاملہ اور وراثت میں حصہ داری کو اسلام نے روز اول سے تسلیم کیا ہے۔ للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنساء نصيب مما اكتسبن یعنی مردوں کا حصہ ہے ان کی کمائی میں اور عورتوں کا حصہ ہے ان کی کمائی میں۔ دیگر قدیم وجدید قوانین میں نرینہ اولاد کی وراثت تسلیم کی جاتی ہے یا زیادہ سے زیادہ مرد رشتہ دار کی۔ اب ہندوستان میں بیٹے اور بیٹی کی برابر کی حصہ داری کا قانون بنا ہے، لیکن معاشرتی روایتوں کے مفقود ہونے کی وجہ سے ملک میں اس پر عمل تقریباً نا موجود ہے۔ اسلام میں عورتوں کی کتنی حیثیتوں میں وراثت میں حصہ داری ہے، اس کی مختصر وضاحت اس طرح ہے کہ بیٹی کی حیثیت میں اگر وہ اکیلی ہو، نہ بھائی شریک ہو اور نہ بہن تو منقولہ وغیر منقولہ ساری جائیداد میں سے آدھا تنہا اس کا ہوگا۔ فلها النصف۔ اگر ایک یا

کئی بہنیں شریک ہیں تو ان دویا ان سب کا دوتہائی ہوگا اور صرف ایک تہائی کسی اور کے لیے ہوگا فلهن ثلثا ماترك ۔ اگر ایک یا کئی بھائی اور بہن بیک وقت موجود ہوں تو تناسب میں دو بہن کا حصہ ایک بھائی کے برابر ہوگا ۔ للذکر مثل حظ الانثین، اسی طرح ماں کی حیثیت میں بھی اسے ایک شکل میں تہائی اور دوسری شکل میں چھٹا حصہ ملتا ہے ۔ و لأبویه لکل واحد منهما السدس / و لأمه الثلث کچھ شکلیں ایسی بنتی ہیں جس میں بہن سگی ہو، علاتی ہو یا اخیافی اسے حصہ ملے گا ۔ و له أخ أو أخت فلکل واحد منهماالسدس / وهم شرکاء فی الثلث / وله أخت فلها النصف / فان کانت اثنتان فلهما الثلثان مما ترك ۔ ہمارے مسلم معاشرے میں بھی اس سلسلے میں بڑی لاپرواہی موجود ہے ۔ لیکن جن گھرانوں میں دینداری ہے وہاں شریعت کا یہ قانون روایت کی شکل میں موجود ہے ۔ نجی ملکیت ہو، آبائی جائیداد ہو یا زراعتی وتجارتی ملکیت ہو سب کی حصہ داری میں عورت مالک اور شریک ہوگی ۔ یہ ہے ہماری شریعت اور اللہ کا دیا ہوا منصفانہ قانون ۔

قرآ ن کا پیغام طالبات و خواتین کے نام

اب ہم اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو یہ قرآنی پیغام دینا چاہتے ہیں جو قرآن کی سورہ احزاب میں مومنین کی ماؤں یعنی ازواج مطہرات کو دیا گیا ہے ۔ یا أیها النبی قل لأزواجك ان کن تردن الله ورسوله والدار الآخرة / وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن / وأقمن الصلوٰة۔۔۔ / واذکرن ما یتلی ۔ اگر اللہ پیدا کر کے یوں ہی چھوڑ دیتا، صرف روزی کا انتظام کر دیتا اور ہدایت کی نعمت سے نہ نوازتا تو ہم روشنی کے بغیر دنیا میں بھٹکتے رہتے اور بالآخر اپنے برے انجام سے ایک دن دوچار ہو جاتے، لیکن اللہ تعالی نے ہم پر مہربانی فرمائی اور اپنا رسول مبعوث فرما کر ہمارے لئے صحیح راہ اختیار کرنا آسان کر دیا اور ہمیں یہ بات بتادی کہ تمہاری منزل یہ چند روزہ دنیا نہیں ہے بلکہ آخرت کا گھر ہے ۔ اگر تم یہ سب کچھ مانتے ہو اور اسی کی چاہ میں رہتے ہو تو اللہ کا یہ یقینی وعدہ ہے کہ ایسے خوب کاروں اور حسن عمل سے آراستہ عورتوں کے لیے اجر عظیم ہے ۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ تمہارا دائرۂ عمل گھر ہے ۔ گھر میں ٹک کر بیٹھی رہو ۔ خلط ملط والی دنیا تمہارے دائرہ سے باہر ہے ۔ بچوں کی تعلیم و تربیت، اور اپنے معاشرے کی عورتوں کی رہنمائی کرو ۔ اپنے دائرہ کی دنیا گھر سے باہر کی بھی ہو سکتی ہے، لیکن وہ گھر کا تحفظ والا ماڈل لیے ہوئے ہو جیسے گرلز اسکول، لیڈی ہسپتال، عورتوں کی فیکٹری وغیرہ ۔ دین نا آشنا اور ہدایت سے محروم سماج سے اپنے آپ کو بچا کر

رہو۔اس معاشرے میں جو بننے سنورنے، تھرکنے ناچنے اور گانے کا ماحول ہے، عریاں اور شہوانیت زدہ ماحول ہے اور جس طرح زیب وزینت اور آرائش وزیبائش کا مظاہرہ کیا جارہا ہے، اس سے بچ کر رہو۔قرآن مجید جس جاہلیت اولی سے بچنے کی بات کررہا ہے، اس سے بہت زیادہ فحاشی اور عریانیت جدید جاہلیت کے دور میں ہورہی ہے۔اس سے واضح دوری بنا کر رکھنا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ قلب وروح کا گندہ ہونا سب سے زیادہ تشویشناک ہے۔رجس یعنی شرک کی نجاست سے اپنے آپ کو پاک کرنا ہے اور اسی طرح ہر طرح کی روحانی واخلاقی گندگی سے اپنے آپ کو دور کرنا ہے۔اس کے لیے حکم دیا کہ تم نماز قائم کرو یعنی بڑے اہتمام سے اوقات کی پابندی کے ساتھ۔دوسرا حکم یہ دیا کہ اللہ نے جو تمہیں رزق دیا ہے اس کو خرچ کر کے اپنے دل ودماغ کا تزکیہ کرو اور اپنے خدا پرست ہونے کا ثبوت دو۔مزید یہ بات کہی کہ اللہ ورسول کی سچی اطاعت کرو۔جیسے ہی یہ بات سامنے آئے کہ یہی اللہ کی مرضی اور حکم ہے تو فوراً اس پر عمل کرنے کے لیے لپک پڑو۔اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے دل ودماغ اور روح وقلب کے اندر جو آلائش وگندگی ہے اس کو ہٹا دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کردے۔

ان آیتوں میں آخری بات جو ازواج نبی سے کہی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کی موجودگی کی وجہ سے تمہارے گھر علم وعرفان کا مرکز بن گئے ہیں۔کتاب وسنت کا جو علم تمہارے گھروں میں برس رہا ہے، احکام الٰہی کا فیضان اور نبوی اعمال وسنن کے جو چشمے جاری ہوگئے ہیں، ان سے خود فیضیاب ہونے کے ساتھ ہی امت کو فیضیاب کرنے کی ذمہ داری اول درجے میں تم پر آتی ہے۔ازواج نبی کو دعوت، تعلیم اور اشاعت واقامت دین کا نشانہ دیا گیا کہ اپنی پوری توانائی وطاقت اس میں صرف کریں۔ازواج نبی کا اسوہ ہماری باعزیمت عالمات، طالبات اور معلّمات کے لیے یہی ہے۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

عبدالحمید حاکم فلاحی،لندن

عورتوں کے ساتھ ظلم وستم، ان کے بنیادی حقوق پر دست درازی اوران کی تحقیر وتذلیل قدیم ترین انسانی تاریخ کا ایک سیاہ باب اور تلخ حقیقت ہے۔ صدیوں پر محیط تاریخ انسانی کا مطالعہ ہمیں مضحکہ خیز انسانی رویوں سے روشناس کراتا ہے۔ کبھی عورت کو بہادری اور شجاعت نیز عقل ودانش کی دیوی تسلیم کرلیا گیا تو کبھی اسے اس کے بنیادی حقوق ہی سے یکسر محروم کردیا گیا۔ اس کی ایک جھلک ہمیں یونانی تہذیب میں واضح طور سے نظر آتی ہے۔ اس طور سے کبھی تو وہ تقدیس کے اس مقام بلند پر پہنچادی گئی کہ پھر اس کی مورتیاں بنا کر پرستش کی جانے لگی اور اسے معبود اور مشکل کشا کا درجہ دے دیا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بدترین رسم بھی قائم اور باقی رہی جس کی رو سے عورت کو اپنے مرحوم شوہر کی چتا کے ساتھ خود کو بھی زندہ جلا کر مار ڈالنا ہوتا تھا۔ اس تلخ حقیقت کا افسوس ناک پہلو یہ رہا کہ عورت کے ظلم وستم اور سب وشتم کا یہ کھیل جاری اور ساری رہا اور اسے مذہب کی پشت پناہی بھی حاصل رہی۔

اسلام نے اس موضوع کو نہایت سنجیدگی سے لیا۔ انفرادی اور خانگی واجتماعی زندگی میں کتنے ہی حقوق تھے جن سے عورت صدیوں سے محروم رہی اور اسلام نے نہ صرف ان حقوق کی بازیافت کی بلکہ مزید حقوق سے بھی دنیا کو متعارف کرایا۔ سامان تعیش اور مال تجارت بن چکی عورت کو ایک مکمل وجود اور کامل مقام عطا کیا اور انسانیت کو یہ عظیم درس بھی دیا کہ جس طرح مردوں کے اپنے حقوق اور اختیارات ہیں، جس طرح ان کا اپنا مکمل وجود اور شخصیت ہے، جس طرح ان کی اپنی صلاحیتیں، عزم وارادے، امنگیں اور تمنائیں ہیں بالکل اسی طرح عورتوں کے بھی اپنے حقوق واختیارات اور آزادیاں ہیں۔ ان کا بھی اپنا ایک مکمل وجود اور شخصیت ہے وہ بھی بے پناہ صلاحیتوں اور کمالات کی مالک ہیں، ان کے سینوں میں بھی عزم وارادہ اور امنگوں اور تمناؤں کی قندیلیں جلا کرتی ہیں۔ لہٰذا بجا طور پر اور تاریخ سے مکمل انصاف کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عورت کو اس کا کھویا ہوا مقام اور گمشدہ وقار دلانے میں نیز

اسے اس کے حقیقی اور واجبی حقوق سے متعارف کرانے میں اسلام کا کوئی ثانی اور مثل نہیں ہے۔

لیکن تہذیب نو کی کوتاہ بینی، تنگ ظرفی اور تعصب کو کیا نام دیا جائے کہ جس نے اسلام کی جانب سے عورت کو عطا کردہ ہر مقام و مرتبہ کی دانستہ تنقیص کی اور ہر پہلو سے یہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کرتی رہی کہ اسلام نے عورت کو مظلوم اور گھر کی چہار دیواریوں میں محصور کر کے رکھ دیا ہے۔ ان تمام حقوق اور آزادیوں سے یکسر محروم کر دیا ہے، جن کے حصول اور بازیافت کے لیے یورپ قابل تحسین کوششیں کر رہا ہے۔

یوں تو عہد نو کے اسلام کے خلاف اعتراضات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ تاہم چند ایک اعتراضات ایسے ہیں جنہیں بارہا پیش کیا جاتا ہے اور بڑی شد و مد کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اعتراض کہ آخر اسلام نے عورت کو گھر کی ریاست کی ملکہ کیوں بنا رکھا ہے؟ وہ چراغ محفل اور بازار کی زینت کیوں نہیں بن سکتی؟ میدان عمل میں وہ مرد کے شانہ بہ شانہ کیوں نہیں چل سکتی؟ جو کام مرد کر سکتا ہے وہ عورت کیوں نہیں کر سکتی؟ وغیرہ۔ یہ دراصل ایک ہی مرکزی سوال کے ذیلی اجزاء ہیں۔ اور وہ مرکزی اعتراض اور سوال یہی ہے کہ آخر اسلام نے مرد و زن کے مابین تفریق کو کیوں روا رکھا ہے؟

دراصل اسلام کا قصور یہ ہے کہ وہ مسائل کو ہماری طرح جذباتیت کے ساتھ نہیں بلکہ عقل و خرد کے پیمانہ میں رکھ کر سمجھنے اور سمجھانے کا قائل ہے۔ لہٰذا یہ بات ہم میں کا ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ فرد ہی سے اجتماعیت اور خاندان سامنے آتا ہے اور پھر یہی خاندان ترقی کرتا ہوا ایک بہت بڑے سماج اور معاشرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ معاشرہ ترقی کی خواہ کتنی ہی منزلیں طے کر لے اس میں کلیدی اور بنیادی رول فرد ہی کا ہوتا ہے۔ اگر فرد اپنی ذمہ داری اور فریضہ کو بحسن و خوبی انجام نہ دے تو پھر خاندان اور معاشرہ کی شیرازہ بندی بسا اوقات ناممکن یا انتہائی مشکل ہو جایا کرتی ہے۔ لہٰذا اسلام کا موقف یہ ہے کہ گھر کی مملکت اور ریاست کو باقی اور مستحکم رکھنے کے لیے زوجین اور بالخصوص عورت (بیوی) کا گھر میں موجود رہنا بے حد ضروری ہے۔ یہاں رہ کر اس کے لیے بہترین موقع ہوتا ہے کہ شوہر کی عدم موجودگی میں اپنی اولاد کی صحیح پرورش اور تربیت کرنے کا۔ شوہر کی عدم موجودگی اسے مزید احساس ذمہ داری کا شعور عطا کرتی ہے۔ گھر میں رہ کر ہی اسے یہ سنہری موقع ملتا ہے کہ اپنی اولاد کو کامل محبت اور مکمل وقت دے سکے، ان کے پیہم اور صبر آزما سوالات کے جوابات اور ان کے یومیہ مسائل کی تفہیم کر سکے، اپنی ہر اچھی عادت اور خصلت ان تک منتقل کر سکے، انہیں اپنی بے لوث محبت اور عقیدت کے جام پلا سکے اور

انہیں اپنے قرب سے کبھی محروم نہ ہونے دے۔ یہ وہ باتیں اور اہم ترین پہلو ہیں جنہیں تربیت کے باب میں ماہرین نفسیات تسلیم کر چکے ہیں۔لیکن ان باتوں کو مضحکہ خیز کہہ کر نظرانداز کرنے کا سنگین نتیجہ عموماً پوری دنیا اور خصوصاً بلاد یورپ میں ہم بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ جہاں بالعموم مردوزن کسب معاش کے لیے دن کا بیشتر حصہ اپنے نومولود اور نوخیز بچوں کو چھوڑ کر دور بہت دور نکل جایا کرتے ہیں اور وہ معصوم ومظلوم بچے تمام دن ماں کی ممتا اور چمکار سے محروم کسی یتیم کی طرح ان اجنبی ہاتھوں میں ہوتے ہیں (اور یہ اجنبی ہاتھ مختلف مراکز ہوتے ہیں جہاں اس قسم کے بچوں کی نگہداشت ہوتی ہے۔) جن ہاتھوں میں نہ تو ماں کے دست شفقت کا گداز ہوتا ہے اور نہ خوبصورت لمس۔ تربیت کے باب میں اس مجرمانہ تساہل اور تغافل کا نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ بچہ جب ذرا سن شعور کو پہنچتا ہے تو اس کے اندر اپنے والدین سے بغاوت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر ستم بالائے ستم مغرب کا بے محابہ تصور آزادی اس کے بغض وعناد اور آتش بغاوت کو دوآتشہ کر دیتا ہے اور آج یورپ میں والدین اس پہلو سے بہت فکر مند ہیں۔ ہر کوئی شاکی ہے کہ بچے قابو سے باہر ہو رہے ہیں اور ان میں نفرت وبغاوت بڑھتی جارہی ہے۔دیگر اسباب کے بشمول جو بنیادی سبب ہے وہ یہی ہے کہ ان بچوں کو ماں کا پیار اور اس کی لوریاں سننے کا موقع کم کم ملا۔ ماں کے ہونٹوں کی حلاوت اور اس کی آنکھوں کی چمک اور اس کی چہرے کی بشاشت سے بالعموم محروم رہے۔اس کے ساتھ اپنے دن کا بیشتر حصہ گزارنے کی نوبت بمشکل ہی ہاتھ آئی۔لہٰذا جب ہمارا عمل یہ ہوتو پھر ردعمل کیوں کر بہترین صورت میں سامنے آنے لگا۔

خیر سے آج جدید تحقیق نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ ولادت سے لے کر تقریباً تین چار سالوں تک ہر بچہ مکمل اور انتہائی نگہداشت کا محتاج اور طالب ہوتا ہے،اسے ہر لحہ اپنی ماں کی ممتا کی احتیاج ہوتی ہے۔وہ چند سیکنڈ بھی ماں کے بغیر گزارنا پسند نہیں کرتا، پھر اگر وہی ماں اسے تنہا چھوڑ کر کہیں دور چلی جایا کرے تو جب تک وہ اس سے دور رہتی ہے اس وقت تک وہ اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتی رہتی ہے اور بچہ بتدریج ماں کے تئیں اپنے اعتماد کو غیر شعوری طور پر کھوتا چلا جاتا ہے۔ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ عمر کے اس مرحلہ میں وہ اسی سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے جو اس کے ساتھ اپنا زیادہ تر وقت گزارتا ہے۔اور اگر ماں اپنی اس روش پر قائم رہی تو اس کی محبت اور ممتا بچہ کی نظر میں مشکوک ہو جاتی ہیں۔فطرت نے بچہ کے شعور میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ ماں وہی ہے جو اسے ہر وقت اپنے سینہ سے چمٹائے رکھے۔لہٰذا ماں جس قدر بچہ کے اس قیمتی شعور کو ٹھیس پہنچاتی رہے گی اسی قدر بچہ ماں سے بیزار ہوتا چلا جائے گا۔اور اس کا

منطقی نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

دراصل مرد وزن کے مابین بظاہر تفریق کا مسئلہ سمجھنے کے لیے تقسیم کار کے اصول کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ بصورت دیگر یہ صریح ظلم کے سوا کچھ نہ نظر آئے گا۔ خلاق ازل نے یہ اصول متعین فرمایا دیا کہ اولاد کی کفالت اور اہل وعیال کی جملہ ضروریات کی فراہمی مرد کے مضبوط شانوں پر ہوگی اس کے لیے وہ ہر جائز اور حلال ذریعہ آمدنی اختیار کرے گا اور اسے کرنا چاہیے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ موسم خواہ کتنا ہی شدید ہو، حالات خواہ کیسے ہی نامساعد ہوں ایک باغیرت مرد حصول رزق کے لیے اپنے اوقات اور توانائیوں کو صرف کرتا ہے، گویا اہل وعیال کی ذمہ داری اور کفالت کا حد درجہ احساس اسے کبھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ یہاں پر ایک مرد بھی تو بجا طور پر یہ کہہ سکتا ہے کہ عورت کو تو گھر کی ٹھنڈی مملکت کا سربراہ بنایا گیا اور مجھے سخت چلچلاتی دھوپ یا کڑاکے کی سردی میں اپنی ذمہ داری انجام دینے پر مجبور و مامور کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہاں موازنہ کے بجائے یہ شعور عام کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ مرد وزن کا اپنا اپنا علیحدہ میدان عمل ہے۔ دونوں کا اپنا دائرہ کار اور حدود و قیود ہیں۔ مختلف زمان ومکان میں کام کرنے کی صلاحیت دونوں کی مختلف ہے۔ پھر ذرا عقلی اعتبار سے بھی غور کیا جائے کہ مرد کی جسمانی ساخت اللہ تعالی نے ایسی بنائی ہے کہ جو طویل وقت تک موسم کی شدتوں کو انگیز کر سکتی ہے یا وہ کام جن میں از حد توانائی مطلوب ہوتی ہے مرد کا مضبوط توانا جسم بڑی آسانی سے انہیں انجام دے لیتا ہے۔

گویا یہ پورا نظام اور سسٹم اسلام نے خاندان کی بقا واستحکام کے لیے ہی وضع کیا ہے کیونکہ اگر یہ خاندان مستحکم اور پائیدار نہ رہا تو انسانیت کا وجود ہی خطرے میں ہوگا۔ لہٰذا خاندان کی اس پرشکوہ عمارت کی بقا اور دوام ہی مرد وزن کی ہمہ جہت ذمہ داریوں پر منحصر ہے۔ اب اگر کوئی عورت یہ کہے کہ اسے بنیاد کا پتھر (گھر کی مالکہ) بن کر زمین میں نہیں رہنا ہے اور مرد یہ کہے کہ میں بنیاد (گھر) سے باہر رہ کر اپنے آپ کو موسم کی شدتوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتا تو ذرا سوچیے کیا کسی بھی خاندان کی عمارت وجود میں آسکتی ہے یا اگر آ گئی تو کیا باقی اور محفوظ بھی رہ سکتی ہے؟

لہٰذا عورت یہ نہ سوچے کہ وہ حقیر اور کمتر ہے اس لیے اسے بنیاد میں رکھا گیا ہے اور اسی طرح مرد یہ نہ خیال کرے کہ وہ مظلوم ہے کیونکہ اسے موسم کی سختیاں جھیلنے کے لیے دیواروں میں چن دیا گیا ہے۔ بلکہ جہاں عورت بنیاد میں رہ کر اپنے شانوں پر پوری عمارت کا بار گراں اٹھائے ایثار اور قربانی کی تاریخ رقم کر رہی ہے، اور اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی بنیاد پر اس اہم ترین مقام پر کھڑے ہونے کا استحقاق رکھتی

ہے۔ وہیں مرد موسم کی ہزار ہا دشواریوں کو انگیز کرتے ہوئے خاندان کی اس خوبصورت اور پرشکوہ عمارت کو قوت واستحکام فراہم کر رہا ہے اور یوں دونوں اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ لہٰذا دونوں کو اپنے مقام ومنزلت کو پہچاننا چاہیے اور اپنے جداگانہ وجود اور حیثیت کی قدر کرنی چاہیے کسی ایک کو بھی دوسرے کے مقام اور ذمہ داری کی تنقیص اور تذلیل نہیں کرنی چاہیے۔ اور جس کا جو مقام اور جگہ ہے اس کو اسی مقام اور جگہ پر رہ کر ہی اپنے فرائض کی انجام دہی کرنی چاہیے۔

بہر کیف بشمول ان تفصیلات کے ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نے عورت کو گھر میں قید رہنے پر ہی پابند کر رکھا ہے بلکہ اس کے برخلاف اگر گھر کے باہر کی فضا عورت کے لیے حفاظتی پہلو سے ساز گار ہے اور اس کی عدم موجودگی سے گھر کی ریاست میں کوئی خلل اور لاقانونیت نہیں پیدا ہوتی ہے تو وہ بوقت ضرورت گھر سے ضرور باہر جائے، بلکہ اگر اپنی عزت وناموس کو محفوظ رکھتے ہوئے حصول رزق میں شوہر کا بوجھ کچھ ہلکا کر سکتی ہو تو بخوشی کرے۔ لیکن اگر کوئی اضطرار اور مجبوری کے حالات نہ ہوں تو اس کی اولین ترجیح بہر حال گھر کی ریاست ہی ہونی چاہیے۔ اور اس اہم ترین ذمہ داری کو کبھی بھی معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔

اسی طرز پر دوسرا الزام جو وقتاً فوقتاً اسلام کے اوپر عائد کیا جاتا ہے وہ یہ کہ اس نے عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں کم فہم اور دین کے باب میں عمل کے پہلو سے ناقص قرار دے کر اس کی شدید تذلیل کی ہے۔ دراصل اس سوال کو رائی سے پربت بنانے سے قبل اگر ذرا اعتدال پسندی کے ساتھ اور تعصب سے پرے ہو کر غور کیا جاتا تو بات بالکل واضح طور سے سمجھ میں آسکتی تھی کہ عورتیں چونکہ غم وخوشی کے حالات سے بہت جلد متاثر ہوتی ہیں اور اچھے برے حالات کا اثر فوری طور پر قبول کر لیتی ہیں، خوشی اور غم کی فضا میں ان کا ردعمل مردوں سے کچھ مختلف ہوتا ہے۔ ان کا انداز فکر جدا اور احساسات وجذبات ذرا مختلف ہوتے ہیں لہٰذا بالعموم ان کے جذبات ان کی عقلوں پر غالب آجاتے ہیں۔ اسی طرح بسا اوقات وہ اسباب وتوجیہات کو جذبات سے علیحدہ نہیں کر سکتی ہیں۔ گویا چونکہ وہ عموماً نازک حالات میں عقل کا استعمال کم اور جذبات کا استعمال زیادہ کرتی ہیں لہٰذا اس مفہوم میں ناقص العقل کہنا کچھ بے جا نہیں۔ دشواری دراصل اس وقت ہوتی ہے جب ہم اس کی خصوصیات سے مردوں کی خصوصیات کا موازنہ اور مقارنہ کرنے لگتے ہیں اور پھر نتیجے کے طور پر یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ عورت تو سلبیات اور نقائص کا مجموعہ ہے۔ اور ہم یہ بات بھول جاتے ہیں کہ مرد عموماً ان مقامات پر بھی خالص منطقی اور عقلی رویہ اپناتے ہیں جہاں صرف جذبات اپنا کام کر سکتے ہیں۔ اور منطقی رویہ صورت حال کو مزید سنگین بنا دیتا ہے۔ خصوصاً

ازدواجی زندگی میں مردوں سے یہ جرم خوب ہوتا ہے۔لہٰذا اس مسئلہ کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے یہ مستحضر رکھنا بے حد ضروری ہے کہ مرد و زن کی اپنی جداگانہ شخصیت ہے۔لہٰذا انہیں انفرادی طور پر ہی سمجھنا چاہیے ایسا کرنے پر وہ تمام پہلو جو مرد سے موازنہ کی صورت میں عیب اور نقص تصور کیے جارہے تھے وہ عورت کی شخصیت کا ممتاز پہلو اور اس کی صفات اور فطری خصائص شمار ہونے لگیں گے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مرد و زن دونوں کچھ مثبت اور منفی صفات کے حامل ہوا کرتے ہیں اس سے ان کی شخصیت کی کسی درجہ میں بھی تنقیص نہیں ہوتی کہ یہ ان کی جبلت کا لازمی عنصر ہے۔

رہا سوال ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی کی طلب کا تو بنیادی طور پر یہ پہلو واضح رہنا چاہیے کہ یہ بات دستاویزی امور سے متعلق ہے یعنی جب ہم کسی سے لین دین کررہے ہوں اور دستاویز تیار کرنے جارہے ہوں تو دو مردوں کو تلاش کرنا چاہیے اور اگر دو مرد نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالینا چاہیے۔دراصل عورتیں عموماً اس قسم کے لین دین کے امور سے کم ہی واقف رہا کرتی ہیں (استثنائی صورتیں ہر دور میں ہوا کرتی ہیں لیکن یہ بات یاد رہے کہ قوانین اور اصول استثنائیات کی بنیاد پر کبھی نہیں بنا کرتے) انہیں خانگی امور میں زیادہ تجربہ ہوا کرتا ہے لہٰذا خانگی معاملات میں وہ زیادہ اعتماد اور یقین کے ساتھ بول سکتی ہیں اور گواہیاں دے سکتی ہیں۔لیکن جب بات عدالت کی دہلیز تک پہنچ جائے تو پھر اول تو عورت کو عدالتی جھمیلے میں نہیں گھسیٹنا چاہیے لیکن اگر ضرورت پڑ ہی جائے تو ایک عورت کے ساتھ ایک اور کو شامل کرلو کیونکہ نہیں معلوم عوامی جگہوں پر بے باکی سے بولنے کا تجربہ اور عادت نہ رکھنے والی عورت جب عدالت کے بھرے کمرے میں پہنچے تو گھبرا اٹھے۔ایسے میں دوسری عورت اسے حوصلہ دلائے اسے سپورٹ فراہم کرے اور تنہائی کے احساس سے نکالے۔واضح رہے کہ یہ بات محض ہماری اپنی آسانی اور معاملہ کو کسی قسم کی پیچیدگی سے بچانے کے لیے ہے ورنہ یہ کوئی ایسی شرط اور قانون نہیں کہ جس سے نفس فیصلہ متأثر ہونے لگے اور قاضی یہ کہے کہ تمہارے پاس صرف ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی موجود ہے لہٰذا گواہیاں قبول نہ ہوں گی۔اب یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ موجودہ دور میں اگر کوئی خاتون مثلاً وکیل ہو اور اپنی بے باکی کے سبب تنہا (دوسری عورت کی معیت کے بغیر) گواہی دینا چاہے تو بہر حال اسے یہ حق ملنا چاہیے کیونکہ اس کی شخصیت کو دیکھ کر یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اسے کسی دوسری عورت کی مدد اور سپورٹ کی ضرورت نہیں ہے۔

دینی امور کی انجام دہی میں عورت کے ناقص ہونے کی بات بھی بآسانی سمجھی جاسکتی ہے۔دراصل

عورت مختلف ایام میں مختلف حالتوں سے دوچار ہوتی ہے۔مثلا ہر ماہ حیض کی حالت جوتقریبا ایک ہفتہ پر محیط ہوتی ہے۔اوراسی طرح ولادت کے بعد تقریبا چھ ہفتہ نفاس کی حالت ہوا کرتی ہے۔ان حالتوں میں عورت کی آسانی کے لیے اللہ تعالی نے اس کی جملہ نمازیں اورروزے معاف کرر کھے ہیں(البتہ روزوں کی قضا بعد میں کرنی ہوگی کہ انہیں قضا کرنا دشوار نہیں باقی گیارہ مہینوں میں کبھی بھی کرسکتی ہے۔) گویا ان حالتوں کے دوران وہ مذکورہ عبادتیں نہ کرکے عملی اعتبار سے کچھ کمزوراور ناقص ہوجاتی ہے۔لیکن یہ رعایت چونکہ خوداس کے خالق نے اسے عطا کی ہے لہٰذا اس سے نہ تو اس کی شخصیت میں کوئی عیب واقع ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عنداللہ مبغوض ٹھہرے گی۔ بلکہ اللہ تعالی کی رحمت سے وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھی مکمل اجر کا استحقاق رکھ سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالی کو اعمال کی کثرت نہیں اخلاص مطلوب ہے۔

آج ضرورت اس بات کی شدید متقاضی ہے کہ اسلام نے جو مقام ومرتبہ عورت کو دیا ہے اسے بہتر سے بہتر انداز مین سماج اور معاشرہ کے سامنے متعارف کرایا جائے اور یہ حقیقت صاف لفظوں میں واضح کی جائے کہ عورت اس سماج اور معاشرہ کا اہم ترین اور بنیادی عنصر ہے کیونکہ اس کے بغیر صحیح اور کامیاب طریقہ پر نسل انسانی کی بقا اور افزائش کا تصور عبث ہے۔سائنس ہزاروں دعووں کے باوجود نسل انسانی کے فطری تناسل کا بہترین متبادل نہیں پیش کرسکتی اور نہ ہی اس کے فوائد اور امتیازی پہلو کی منکر ہوسکتی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اب جدید دنیا بیشتر امور میں نظام فطرت کو نہ صرف یہ کہہ کر قبول کرنا چاہتی ہے بلکہ لوگوں کو قائل کرنے کی کوششیں بھی کررہی ہے اور شاید ایسا اسی لیے ہورہا ہے کہ یہی دنیا کی مجبوری بھی ہے اور اس کی اصل ضرورت بھی کہ وہ جملہ امور ومعاملات میں شاہراہ فطرت پر ہی گامزن ہونے کی کوشش کرے۔آج یورپ میں جو لوگ بھی اسلام کی طرف آرہے ہیں وہ دراصل اسلام کی فطرت سے ہم آہنگی کی بنا پر ہی آرہے ہیں۔اور غیر فطری امور سے اجتناب اور غیر فطری ادیان سے بے رغبتی کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

بہر کیف دنیا کو اب یہ حقیقت تسلیم کرلینی چاہیے کہ جب تک انسانوں اور خصوصا عورتوں کی ساتھ ظلم وستم اور سب وشتم ہوتا رہے گا، جب تک ان کے واجبی حقوق تلف کیے جاتے رہیں گے اور جب تک انہیں وہ مقام ومرتبہ نہیں حاصل ہوگا جس کی وہ مستحق ہیں اس وقت تک نظام کائنات میں انتشار اور اضطراب اورانارکی باقی رہے گی۔ بقول شاعر

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ　　　اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

تہذیبی جارحیت اور اسلام

ضمیر الحسن خاں فلاحی، لکھنؤ۔یوپی
موبائیل:7417449612

جــارحیت (Agression) امن کی ضد ہے۔اور امن درحقیقت ان بنیادی ضروریات میں ہے جن پر انسانیت کی فلاح وسعادت کا مدار ہے۔ ہر شخص کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ جہاں بھی رہے امن وسکون کے ساتھ رہے لیکن اس خواہش اور اس کی ضرورت کے احساس کے باوجود انسان اس سے پہلے بھی محروم تھا اور آج بھی محروم ہے۔

جارحیت کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے اس لیے اس کی مختلف تعریفیں کی جاتی رہی ہیں۔

چیمبرس انگلش ڈکشنری میں اس کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں: first act of hostility or injury۔(۱)

آزاد دائرۃ المعارف کے مطابق بین الاقوامی قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی حکومت کا مسلح طاقت کا استعمال، اعلان جنگ، حملہ، بمباری، ناکابندی، فوجی نقل وحرکت، باہمی جھگڑوں کے پرامن تصفیہ سے انکار اور بین الاقوامی اداروں کے کہنے کے باوجود جنگ بندی سے انکار وگریز، یہ تمام کوائف جارحیت کے مترادف ہیں۔(۲)

جامع اردو انسائیکلو پیڈیا کے مطابق دسمبر ۱۹۷۴ء میں بین الاقوامی قانون کمیشن نے اقوام متحدہ کی عام اسمبلی کی درخواست پر اپنے ۲۹ ویں اجلاس میں جارحیت کی جو تعریف کی ہے اس کی دفعات یہ ہیں:

دفعہ ۱: جارحیت کسی ملک کے ذریعہ دوسرے ملک کی علاقائی سالمیت یا سیاسی آزادی کے خلاف یا کسی ایسے طریقہ سے جو اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق نہ ہو جیسا کہ اس کی تعریف میں درج ہے، مسلح طاقت کا استعمال ہے۔

دفعہ ۲: کسی ملک کے ذریعہ منشور کی خلاف ورزی میں مسلح طاقت کے استعمال میں پہلی جارحیت

کے فعل کی بدیہی شہادت ہوگی۔

دفعہ۳: مندرجہ ذیل کارروائیاں قطع نظر اعلان جنگ کے دفعہ۲ کے مطابق جارحیت کی کارروائیاں سمجھی جائیں گی۔

الف: ایک ملک کی مسلح طاقت کے ذریعہ دوسرے ملک کے علاقہ پر حملہ یا اس حملہ کے نتیجہ میں فوجی قبضہ خواہ کتنا ہی عارضی کیوں نہ ہو، یا کسی ملک کے علاقہ/اس کے کسی حصہ کا بزور طاقت الحاق۔

ب: ایک ملک کی مسلح افواج کے ذریعہ دوسرے ملک کے علاقہ پر بمباری یا ایک ملک کے ذریعہ دوسرے ملک کے خلاف کسی بھی قسم کے ہتھیاروں کا استعمال۔

ج: ایک ملک کی مسلح افواج کے ذریعہ دوسرے ملک کی بندرگاہوں یا سواحل کی ناکہ بندی۔

د: ایک ملک کی مسلح افواج کے ذریعہ دوسرے ملک کی بری، بحری یا فضائی افواج یا بحری و فضائی دستوں پر حملہ۔

ہ: ایک ملک کی فوج کا جو دوسرے ملک میں سمجھوتہ کے تحت متعین ہو، سمجھوتہ کی خلاف ورزی میں استعمال یا سمجھوتہ کی میعاد ختم ہونے کے بعد ایسے علاقہ میں ان کی موجودگی میں توسیع۔

و: وہ ملک جس نے اپنے علاوہ کو کسی دوسرے ملک کے تصرف میں دیا ہو، اگر اس علاقہ سے کسی تیسرے ملک کے خلاف جارحیت کا اقدام کرنے کی اجازت دے تو یہ طرز عمل جارحانہ طرز عمل تصور کیا جائے گا۔

ذ: دوسرے ملکوں میں مسلح ٹولیوں، گروہوں، بے ضابطہ یا کرایہ کے سپاہیوں کو اتنی شدت کے مسلح اقدامات کرنے کے لیے بھیجنا جو اوپر درج کیے گئے ہیں یا ان اقدامات میں متعلقہ ملک کا ملوث ہونا۔

دفعہ۴: مندرجہ بالا اقدامات کی فہرست مکمل نہیں ہے۔ سیکورٹی کونسل یہ طے کرنے کا اختیار رکھتی ہے کہ منشور کی دفعات کے تحت اور کون سی کارروائیاں جارحیت کے دائرہ میں آتی ہیں۔

دفعہ۵: (۱) کسی بھی نوعیت کی کوئی مصلحت خواہ سیاسی ہو یا معاشی یا فوجی و دیگر جارحیت کو جائز ثابت کرنے کی بنیاد نہیں بن سکتی۔

(۲) جارحیت کی جنگ بین الاقوامی امن کے خلاف ایک جرم ہے۔ لہٰذا جارحیت بین الاقوامی مسؤلیت کا پیش خیمہ ہوگی۔

(۳) جارحیت کے نتیجہ میں کسی علاقہ یا کسی خصوصی فائدہ کا حصول نہ قانونی ہے اور نہ اسے تسلیم

کیا جائے گا۔

دفعہ ۶: اس تعریف کی کسی بھی دفعہ کو اقوام متحدہ کے منشور کے دائرہ کو بشمول ان دفعات کے جن میں طاقت کے استعمال کو قانو ناجائز قرار دیا گیا ہے کم وبیش کرنے کے معنی نہیں دیے جائیں گے۔

دفعہ ۷: اس تعریف کی کوئی دفعہ کسی بھی طریقہ سے ان لوگوں کے حق خود اختیاری، آزادی اور خود مختاری کے حق کو پامال نہیں کرے گی جو جبرا اس حق سے محروم کیے گئے اور نہ ان لوگوں کے حق کو جو اقوام متحدہ کے اصولوں اور مقاصد کے مطابق اس حق کی جدو جہد کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں حمایت چاہتے اور پاتے ہیں۔(۳)

جارحیت کو اگر تہذیب سے جوڑا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ فرد، قوم اور ملک کے دین، مذہبی شخصیات، افکار ونظریات، گفتار، اعتقادات، طور طریق، معاشرت، اور معیشت کے دوسری ثقافت پر حملہ آور ہونے کو تہذیبی جارحیت کہا جاسکتا ہے۔

دشمن اپنے طے شدہ اہداف تک پہنچنے کے لیے کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ کچھ ایسی تدابیر اور ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے، جن کے ذریعہ وہ اپنے حریف ومدمقابل کے اعتقادات اور مذہبی ودینی اقدار کو نشانہ بناتا ہے نیز اس کی اخلاقیات کو مجروح کرتا ہے۔ یہ دشمن مقابل تہذیب کے معنوی، اور باطنی پہلوؤں پر بھی حملہ آور ہوتا ہے اور اس کے مادی ومحسوس گوشوں پر بھی نقب زنی کرتا ہے۔

انسانی تاریخ میں قوموں کا باہمی تہذیبی تبادلہ جو تہذیبوں کی ترقی کا ذریعہ اور ان کی بقا کے لیے ایک ناگزیر وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے ہر ملت دوسری ملت سے اعلی اقدار، رفیع الشان نظریات وافکار، طور طریق، اعتقادات اور طرز معاشرت اخذ کرتی ہے اور اس تہذیبی تبادلہ پر اسلام بھی قدغن نہیں لگاتا لیکن تہذیبی جنگ جسے ہم تہذیبی جارحیت سے موسوم کر رہے ہیں ایک الگ پہلو ہے۔ کیونکہ اس جنگ میں پہلے دینی مذہبی ثقافت کی برتری اور مقابل تہذیب کی کمزوری ثابت کی جاتی ہے اور پھر مقابل تہذیب وثقافت کو مکمل طور پر نیست ونابود کرنے کے لیے سارے حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ہمہ جہت اور زبردست منصوبہ بندی کے ذریعہ مقابل تہذیب کو غیر محسوس طور پر بدلنے کی سعی کی جاتی ہے کہ سوائے چند اصحاب بصیرت کے کسی کو اس کا احساس بھی نہیں ہونے پاتا اور دشمن تہذیب اس کے گھر تک آ پہنچتی ہے۔ تہذیبی تبادلہ بلکہ صحیح تر الفاظ میں ایک دوسرے سے افادہ واستفادہ میں طرز حیات، اقدار، اعتقادات اور تصورات کو بدلنے کی ضرورت نہیں پڑتی جبکہ تہذیبی جنگ وجارحیت کا ہدف پہلے یہی

چیزیں ہوتی ہیں۔طرز حیات کی تبدیلی کے لیے اقدار کی تبدیلی ضروری ہے اور اقدار کی تبدیلی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس معاشرہ کے اجتماعی اعتقادات نہ بدل دیے جائیں کیونکہ اقدار ہی کسی معاشرہ کی اصل واساس ہوا کرتے ہیں۔

تہذیبی جنگ جسے ہم جارحیت کہہ رہے ہیں، اس کے حوالہ سے تاریخ ہمیں دوطرح کی تحریکوں کا پتہ دیتی ہے:

۱۔انبیائی تحریک ۲۔طاغوتی تحریک

اول الذکر تحریک ایک شعوری تحریک ہوتی ہے جس کا مقصد اعلیٰ نبی کی قیادت میں انسانیت کو اعلی علمی، معنوی اور اجتماعی مقاصد کے لیے سرگرم عمل رکھنا ہوتا ہے اور اس راستہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی خاطر اجتماعی شعور کو بیدار کرنے کی جدوجہد کی جاتی ہے۔ بسا اوقات بشریت کی آزادی کے لیے وقت کے طاغوت سے معرکہ آرائی بھی کرنی پڑتی ہے۔اس کے برخلاف طاغوتی تحریک کی بنیاد شخصی وگروہی مفادات کا حصول ہوتا ہے۔جس کے لیے ایک فرد یا گروہ اپنے پست اور گھٹیا مقاصد کی خاطر انسانوں کی بڑی تعداد کو اپنی طاقت کے بل پر غلام بنالیتا ہے اور دوسرے معاشروں پر بزور شمشیر اپنے مفادات تھوپنے کا مجاز ہوجاتا ہے، یہی نہیں بلکہ انسانیت کو دھوکہ میں رکھنے کی غرض سے نظریہ سازی تک کر لیتا ہے۔(۴)

بالفاظ دیگر پہلی تحریک کا مقصد مبنی برحق نظریہ کی طرف انسانیت کو بلانا ہوتا ہے تاکہ وہ سعادت وترقی کی طرف حرکت کرسکے، جبکہ دوسری تحریک کا مقصد اصلی معاشرے کے تمام لوگوں کو ایک مخصوص فرد، گروہ یا نظریہ کی خدمت کے لیے استعمال کرنے سے عبارت ہے۔

پہلی تحریک کی بنیاد شعور اور نظریہ پر ہے اور دوسری تحریک کی بنیاد طاقت کے بل پر مفادات کا حصول ہے۔

اسی جنگ سے ہوشیار کرتے ہوئے انقلاب ایران کے رہنما امام خمینی نے فرمایا تھا: سب سے اہم اصلاحی کام تہذیب کی اصلاح ہے۔آج ہم اپنی تہذیب میں مغرب سے ایسی وابستگی دیکھ رہے ہیں جس کا خطرہ دوسری تمام وابستگیوں سے زیادہ سنگین ہے۔یہ وابستگی ہماری تمام تر وابستگیوں کا نقطہ آغاز ہے کیونکہ اگر ہم ثقافتی طور پر کسی تہذیب سے عملا وابستہ اور مرعوب ہوں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم اقتصادی طور پر بھی اس پر منحصر ہوجائیں گے اور پھر اجتماعی اور سیاسی وابستگیاں بھی ہمیں اپنے پنجوں میں

دبوچ لیں گی اور ہم مکمل طور سے اس کے غلام بن کر رہ جائیں گے۔(۵)

ایک اور موقع پر امام خمینی نے فرمایا: ''اگر کسی معاشرہ کی تہذیب اپنی مخالف تہذیب سے مرعوب اور وابستہ ہوتو یہ مرعوبیت و وابستگی، اس معاشرے کے دیگر شعبوں میں بھی سرایت کرے گی اور آخرکار اس میں غرق ہوکر دم توڑ دے گی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ زندگی تمام شعبوں میں اپنا وجود کھودے گی۔ ہر معاشرہ کا وجود و استقلال اس معاشرہ کے تہذیبی وثقافتی استقلال وخودمختاری سے جنم لیتا ہے۔ دشمنوں نے نہایت صراحت کے ساتھ کہہ دیا ہے کہ عیسائیت کی تبلیغ وترویج امت اسلام کو عیسائی بنانے کے لیے نہیں بلکہ مسلم نوجوانوں کے اعتقادات اور اقدار میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے ہے تاکہ ان کے عقائد کمزور پڑ جائیں اور اگر معرفت خدا کے حصول کا جذبہ سرد پڑ گیا اور ایمان کی جڑیں کھوکھلی ہوگئیں تو عالمی استکبار کو سکون مل جائے گا۔''(۶)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام کے متحرک اور فعال وجود سے سب سے بڑا خطرہ عالمی استکبار کو ہے۔ اس لیے کہ اسلام کے افکار عالیہ کی وجہ سے اس کی غارت گریاں، استحصالی ذہنیت اور دولت کی لوٹ کھسوٹ سب اپنے انجام کو پہنچ جائے گی۔ دشمن کبھی نہیں چاہتا کہ اسلام اپنے اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی میدانوں میں ایک مقتدر اور مضبوط ومؤثر کردار ادا کرے۔ وہ اپنے اہداف اور مقاصد کا سب سے بڑا دشمن اسلام اور تہذیب اسلامی کو باور کرتا ہے لہٰذا اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر نہ صرف وہ اپنی بے مقصد مادی فکر کو فروغ دے کر اپنی منحرف اور آلودہ تہذیب کی ترویج کرتا ہے بلکہ ٹکنالوجی اور صنعتی فریب کے ذریعہ خالص و بے آمیز اسلامی ثقافت کے راستہ میں رخنہ اندازی بھی کرتا ہے تاکہ مذہبی افکار واقدار کی بنیادوں پر تیشہ چلا کر امت کی اعتقادی جڑوں کو کاٹ دے چنانچہ وہ اپنی ٹکنالوجی اور اقتصادی ترقی کو مسلمانوں کے سامنے رکھ کر اور انہیں اس سے مرعوب کرکے بے حیائی اور گناہ کے دلدل میں ڈھکیل دینا چاہتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی اعلی اسلامی وانسانی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر مغرب کی پست اور گھٹیا اقدار کے دلدادہ ہوجائیں، انہیں اپنا آئیڈیل اور ہیرو تسلیم کرلیں اور اس طرح مختلف ادیان و مذاہب کے لوگوں کا قبول اسلام کا عمل رک جائے یا دوسرے لفظوں میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کم ہوجائے۔

تہذیبی جارحیت کی خصوصیات

تہذیبی جارحیت یا تہذیبی جنگ کی تعریف کے بعد یہ دیکھنا چاہیے کہ اس جنگ کی خصوصیت

کیا ہیں۔ جب تک کسی چیز کا ہمہ پہلو مطالعہ نہ کیا جائے اور اس سے پورے طور پر واقفیت حاصل نہ کی جائے، اس کی مضرتوں سے محفوظ رہنے اور اس کے تدارک کی تدابیر اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔

تہذیبی جارحیت کی کچھ اہم خصوصیات کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ تہذیبی جارحیت کی سب سے اہم اور پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ غیر مرئی ہوتی ہے۔ ظاہر بیں نگاہ کا فیصلہ یہ ہے کہ جنگ ہتھیاروں، بندوقوں، توپوں، راکٹوں اور میزائلوں اور ٹینکروں وغیرہ جیسے جنگی اسلحہ سے لڑی جاتی ہے۔ یعنی جب مخالف لشکر ایک دوسرے کے سامنے آ جائیں اور تیر وتلوار اور بموں ومیزائلوں کی بارش برسائیں، جب انسانی پیکر خاک اور خون میں لت پت ہو جائے، پیکر خاکی کے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھالے جائیں، درد وکرب سے طبیعت کی روح تھرتھرا اٹھے، اس کیفیت کو بالعموم جنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یقیناً یہ جنگ ہے لیکن اس کے علاوہ جنگ کی ایک اور قسم بھی ہے جو مذکورہ بالا محسوس جنگ سے کہیں زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتی ہے۔

ایک مفکر کے بقول: ''سخت جنگ (روایتی جنگ) کے برخلاف نرم جنگ ذہنی اور انتزاعی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے اس لیے اس کی شناخت دشوار ہوتی ہے۔ روایتی جنگ کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ نظر آتی ہے اور اس کے خلاف ردعمل (Reaction) ہوتا ہے جبکہ نرم جنگ (تہذیبی جنگ) میں کھلاڑیوں کی شناخت اور دشمن کی بساط اور پھیلاؤ کا اندازہ لگانا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ بہت کم لوگ اس کے خلاف ردعمل اور احتجاج کر پاتے ہیں، فوجی یلغار میں دشمن سامنے نظر آتا ہے لیکن معنوی وتہذیبی جنگ میں دشمن روبرو نہیں ہوتا۔ انسان بظاہر خود کو پرامن وپرسکون محسوس کر رہا ہوتا ہے مگر اندر ہی اندر اس کے خفیہ حملے اس کے عقائد ونظریات کی بیخ کنی کر رہے ہوتے ہیں اور انہیں بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ (۷)

۲۔ اس جنگ کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ طویل مدتی اور دیرپا ہوتی ہے۔ خاموشی سے طویل مدت تک جاری رہتی ہے اور اسی اعتبار سے اس کے اثرات بھی دوررس اور دیرپا ہوتے ہیں۔ عسکری اور اقتصادی جنگوں میں دیر تک لڑنا عملا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس میں سرمایہ اور افرادی قوت وافر مقدار میں درکار ہوتی ہے جو بذات خود ایک مشکل امر ہے۔ افغانستان وعراق سے امریکی افواج کا انخلاء اس کا بین ثبوت ہے۔ اس کے برخلاف تہذیبی جنگ میں چونکہ سرمایہ اور افرادی قوت اتنی مقدار میں درکار نہیں ہوتی اس لیے وہ دیر تک اور عسکری جنگ سے مامون ہو کر جاری رکھی جا سکتی ہے۔ موجود دنیا میں آج جو معرکہ آرائی ہے وہ اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہے۔

۳۔تہذیبی جارحیت یا جنگ کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں عسکری جنگ کے علی الرغم انسان ظاہری وجسمانی طور پر تو زندہ ہوتا ہے، مگر قلب و ذہن اور روح مردہ اور غلام بن کر رہ جاتی ہے ار جب ذہن وروح غلام بن جائیں تو فاتح کا ہر حکم بآسانی مان لیا جاتا ہے۔

۴۔اس جنگ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس کا خطرہ اور اثر عسکری یا اقتصادی جنگ سے زیادہ ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک کسی قوم کا معاشرہ یا تہذیب وثقافت زندہ رہتی ہے تو وہ قوم آسانی سے اپنے اقتصادی، سیاسی اور عسکری نقصانات کا ازالہ کر لیتی ہے لیکن غلام قوم اور معاشرہ اپنا سب کچھ ہار جاتا ہے، انسان کی فکر اور خواہش یکسر بدل جاتی ہے پھر اس کی فکر اور خواہش وہی قرار پاتی ہے جو غالب قوم اور تہذیب چاہتی ہے۔بقول شاعر

قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
پھر کسی قوم کی عظمت پہ زوال آتا ہے

اس کے نمونے جا بجا دیکھے جا سکتے ہیں۔

۵۔اس کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اہداف ونشانے جامع ہوتے ہیں۔یوں تو اس کے بے شمار اہداف ہوتے یا ہوسکتے ہیں: مثلاً: زمین پر قبضہ، حکومتی مشینری، اعتقادات ، اقدار، نظریات۔لیکن جوان نسل اس کا سب سے بڑا نشانہ اور اہم ٹارگیٹ ہوتی ہے۔کیونکہ کسی قوم ومعاشرہ کا مستقبل اس کی نوجوان نسل سے ہی وابستہ ہوتا ہے۔

۶۔اس جنگ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ دشمن ہمہ جہت منصوبہ بندی اور پلاننگ کرتا ہے اور اپنی ہمہ پہلو وہمہ جہت پلاننگ اور دوسرے وسائل اور پوری تیاری کے ساتھ میدان میں اترتا ہے اور اس سلسلہ میں ہر ہتھیار سے مکمل استفادہ کرتا ہے، کم سے کم صرفہ سے زیادہ سے زیادہ اہداف حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔غرض یہ کہ تہذیبی جنگ اتنی ہمہ جہت، وسیع اور دقیق ہوتی ہے کہ اگر ذرا بھی غفلت و بے توجہی برتی جائے تو ناقابل تلافی نقصان پر منتج ہوتی ہے۔

تہذیبی جارحیت بنیادی محور

تہذیبی جنگ یا تہذیبی جارحیت کے بنیادی طور پر دو محور ہوتے ہیں:

انسان ازل سے ہی اپنی فکر اور خواہشات کی سمت حرکت کرتا آیا ہے۔فکر اسے راہ دکھاتی ہے اور خواہش مطلوبہ سمت میں حرکت کرنے کا حوصلہ بخشتی ہے۔

تہذیبی جارحیت کے ذریعہ دشمن چاہتا ہے کہ مد مقابل کومختلف طریقوں سے ایسے مقام پر لے آیا جائے کہ وہ اس کے بنائے ہوئے منصوبہ کے مطابق سوچے اوراسی کی پسند وناپسند کواپنی پسند کا معیار بنالے۔کسی دانشور کے بقول:''کسی قوم کے شک ویقین (فکر) اورتولی وتبری کواپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا ہی دراصل ثقافتی جنگ (Cultural War) کہلاتا ہے۔''(۸)

گویا استعماری طاقتیں مختلف حربے استعمال کرکے اپنے ناپاک مقاصد کی آسودگی وتکمیل کی خاطر قوموں کی نفسیات کوشک میں اوراعلیٰ اقدارکورذیل اقدار میں تبدیل کرنے کی سعی کرتی ہیں۔مثال کے طور پرایک قوم کامیابی کے لیے جدوجہد اورقربانی پریقین رکھتی ہے،اسے ناکام بنانے کے لیےاس کے اس محکم یقین کوشک سے بدل دیا جاتا ہےاور جدوجہد پریقین کے بجائے اسے یہ نظریہ دے دیا جاتا ہے کہ کامیابی وناکامی تو پہلے سے تقدیر میں لکھی ہوئی ہے۔اس طرح اس کے دل میں اعلیٰ اقدار سے محبت کی جگہ پست اقدار کی محبت بھر دی جاتی ہے۔نتیجتاً وہ قوم اپنی تہذیب،اپنی ثقافت،اپنی اقدار ہر چیز سے بے نیاز ہوجاتی ہے۔

تہذیبی غلبہ کے لیے جارحیت ایک کارگر ہتھیار

اوپر جس تہذیبی جارحیت،اس کے اہداف اورخصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ہےاس کی اسباب ووجوہ کی دریافت بھی ضروری ہے۔کیونکہ اصولی طور پر دنیا جارحیت کے خلاف ہے۔اقوام متحدہ کا منشور،اس کی قانون ساز اسمبلی کی منظورشدہ دفعات،سب اس بات کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ جارحیت ایک فعل شنیع ہے۔پوری انسانیت کے لیے موجب ہلاکت ہے،اورسب سے بڑی بات یہ کہ عالمی امن کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے،حالانکہ اس عالم انسانی کی بنیادی ضرورت اورانسانیت کی فلاح وسعادت نیز ترقی کا زینہ ہے۔اور ہرانسانی معاشرہ طبعی طور پراس کا خواہش مند بھی ہے لیکن اس کے باوجود جارحیت کا کھیل جاری ہے۔انسان پہلے بھی اس کا شکار تھا اور آج بھی ہے۔بلکہ آج جبکہ انسداد جارحیت کے ضمن میں متعین قوانین موجود ہیں اوران قوانین کی خلاف ورزی کی سزائیں بھی طے ہیں، پہلے سے زیادہ دوچار ہے۔خاص طور سے بات جب اسلام، عالم اسلام اوراسلامی تناظر میں ہورہی ہوتو یہ سوال اور ابھر کر سامنے آتا ہے کیونکہ مغربی مفکرین نے یوں تو اسلام اور تہذیب اسلامی پر مختلف الجہات حملے اور بہتان تراشیاں کی ہیں مگر دورجدید میں یورپ کا غالباً سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ اسلام ایک جارح اورخونخوار مذہب ہے، بقول مولانا مودودی:''اگر دنیا میں عقل ہوتی تو وہ یہ سوال

ضرور کرتی کہ جولوگ خود امن وامان کے سب سے بڑے دشمن ہوں، جنہوں نے خون بہا بہا کر زمین کے چہرہ کو بار ہا رنگین کیا ہو، بلکہ مستقل کر رکھا ہو اور جو خود امن وچین پر ڈاکے ڈال رہے ہوں، انہیں کیا حق ہے کہ وہ اسلام جیسے پر امن دین پر وہ الزام عائد کریں، جس کی فرد جرم خود ان پر لگنی چاہیے۔''(۹)

اس پروپیگنڈہ کا اتنا اثر ہوا کہ بعض لوگ تو یہاں تک کہنے لگے کہ دنیا میں جب تک قرآن کی تعلیم موجود ہے، امن قائم نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ مہاتما گاندھی جیسا شخص بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور انہوں نے صاف لفظوں میں کہا:

''اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا ہے، جس کی فیصلہ کن طاقت پہلے بھی تلوار تھی اور آج بھی تلوار ہے۔''(۱۰)

ا۔ تہذیبی جارحیت کا ایک سبب تو یہ ہے کہ غالب تہذیب جو اس وقت مغربی تہذیب ہے، اس کے ذریعہ پوری دنیا پر اپنا تسلط قائم اور برقرار رکھنا چاہتی ہے تا کہ وہ ساری دنیا کی دولت وثروت پر کنٹرول کر کے ان کے وسائل کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کر سکے۔ گزشتہ و رواں مغرب کی تمام کارروائیوں کے پیچھے یہی مقصد کارفرما نظر آتا ہے۔ افغانستان پر حملہ، کویت وعراق کی جنگ اور پھر ثالثی کا کردار، مصر، سوڈان، تونس، شام میں آج بھی یہی ذہنیت کام کر رہی ہے۔

۲۔ دوسری غرض پوری دنیا کو اپنا ذہنی غلام بنا کر اپنی اقدار و روایات اور اپنی تہذیب وتمدن کو ان تک منتقل کرنے کی راہ ہموار کرنا ہوتا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب تنقیحات جو اصلاً ان کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے میں تاریخی تجزیہ کر کے بتایا ہے کہ قوموں کے زوال وانحطاط کے بنیادی طور پر دو وجوہ ہوتے ہیں، ایک قوت اجتہاد سے بے نیاز ہوکر دوسروں کی پیروی، دوسرے لفظوں میں فکری جمود جو مجاہد سے مجاہد قوم کو بھی دوسروں کی طرف ڈھکیل دیتا ہے اور دوسری وجہ تن آسانی یا بے عملی اور کاہلی۔ یہ دو خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے قوموں کا جذبہ جہاد واجتہاد سرد پڑ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ قوم فکری و ذہنی غلامی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ آج دنیا مین مسلمانوں کی جو حالت زار ہے کہ جہاں وہ دوسروں کے دست نگر ہیں وہاں بھی اور جہاں خود حکمراں ہیں وہاں بھی، احساس کمتری کا شکار، فکر مغرب اور تہذیب مغرب سے مرعوب ہیں۔ وہ نہ صرف مغربی علوم بلکہ اس کی تہذیب کو بھی اپنائے ہوئے ہیں۔(۱۱)

۳۔ جارحیت کا تیسرا مقصد مقابل تہذیب کی اقدار کو بدل کر اس کے پھیلاؤ اور دنیا میں اس کی

مقبولیت کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنا ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے یہ مقابلہ آرائی اس وقت اسلامی اور مغربی تہذیب کے درمیان ہے۔ اور اس میں غالب و فاتح کی حیثیت بوجوہ مغربی تہذیب کو حاصل ہے۔ مغرب خوب جانتا ہے کہ اسلامی تہذیب اپنی غیر معمولی جاذبیت کی بناپر بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ اسے سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے اس لیے وہ ہر طرح سے اسلامی اقدار کو بدل کر اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت پر بندھ باندھنا چاہتا ہے۔

۴۔ تہذیبی جارحیت کا ایک مقصد اور اہم مقصد مقابل تہذیب کی ترقی اور کمال کے راستے میں رخنے ڈالنے کی غرض سے اس تہذیب کے اساسی تصورات، اعتقادات اور اقدار کو داغ دار کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تک کسی قوم کی یقین کی بنیادوں کو شک میں تبدیل نہ کیا جائے، ان کے اقدار کو بدلنا محال و ناممکن ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مغربی مفکرین کا پہلا نشانہ تہذیب اسلامی کے اساسی تصورات میں تشکیک پیدا کر کے اسے کمزور کرنا ہے۔

جارحیت: تہذیب باختگی کا مظہر

بالعموم یہ جنگ غیر مرئی و غیر محسوس صورت میں ہوتی لیکن بسا اوقات دشمن تہذیب مد مقابل کو باہم دست و گریباں کر دیتی ہے۔ اپنے مذموم اور گھٹیا مفادات اور اہداف کی خاطر جن ذرائع کو بروئے کار لایا جاتا ہے ان میں نظام تعلیم، زبان، میڈیا، ملٹی نیشنل کمپنیاں، مغرب زدہ روشن فکر مفکرین، سیاحت، تجارت، سرمایہ کاری، ادب و ہنر، آثار قدیمہ، سماجی سرگرمیاں، نابغہ اور ذہین افراد کو اپنے ملک میں اعلیٰ تعلیم کے مواقع کی فراہمی، فوجی تربیت وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ الغرض دشمن اپنی ساری توانائیاں اور حربے استعمال میں لاتا ہے۔ اس کی علاوہ جارحیت کے فروغ کے لیے خاص طور سے جو ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ خود باختگی: خود باختگی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی معاشرہ یا قوم اپنے بارے میں یہ سمجھنے لگے کہ وہ ہر طرح کی صلاحیتوں اور توانائیوں سے محروم ہے۔ اس سوچ کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم اور معاشرہ احساس کمتری میں مبتلا ہو کر دوسروں کی نقالی پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آج ہو رہا ہے کہ غالب مغربی تہذیب اپنے ابلاغ کے تمام ذرائع استعمال کر کے مغلوب اقوام کے اندر مایوسی اور کمتری کا زہر گھول رہی ہے اور لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان کا معاشرہ بانجھ اور ہر طرح کی تخلیقی صلاحیتوں سے محروم ہے اس لیے تقلید مغرب کے سوا اس کے سامنے کوئی دوسرا راستہ (Option) نہیں ہے۔

۲۔ مذہبی اعتقادات کی تضعیف: انسان کا عمل اس کے فکر و نظر کا آئینہ ہوتا ہے۔ ہر قوم اپنے اعتقادات اور آئیڈیالوجی کے مطابق زندگی گزارتی ہے۔ تہذیبی جارحیت کا پہلا حملہ انہی عقائد و آئیڈیالوجی پر ہوتا ہے، وہ انہیں بگاڑنے اور کمزور کرنے کی ہر ممکن سعی کرتی ہے۔ میڈیا کے ذریعہ دوسروں کی آئیڈیالوجی، اقدار اور طرز حیات و معاشرت کو پست اور گھٹیا باور کرایا جاتا ہے تا آنکہ وہ قوم اپنے فکر و نظر اور اقدار سے متنفر ہو جائے اور یوں مغربی اقدار کے فروغ کی راہ ہموار ہو سکے۔ برطانوی عہد حکومت میں مقامی تہذیب و ثقافت کی تحقیر کے لیے جو لباس معاشرے کے اشراف اور اعلیٰ طبقات کی علامت تھا وہ لباس سرکاری چپراسیوں اور نوکروں میں رائج کیا گیا اور اس طرح سے لوگ اس سے بتدریج دور ہوتے چلے گئے۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے کہ کس طرح سے تہذیبی جارحیت چیزوں کو اپنا شکار بناتی ہے۔

۳۔ مقدسات کی توہین: جارحیت کی بدترین صورت کسی قوم کے مقدسات کی توہین ہے۔ اس عمل کے ذریعہ اس قوم کی اجتماعی غیرت اور خودداری کو ختم کرنے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے۔ توہین رسالت، مساجد کی بے حرمتی و شہادت، کتاب اللہ کے ساتھ بدسلوکی اور اس قبیل کی دوسری سرگرمیاں اسی جارحیت کا حصہ ہیں۔ اس کے علاوہ مقدس مفاہیم کو منفی اور منفی کو مقدس بنا کر پیش کیا جاتا ہے، عفت، پاکدامنی، اصول پسندی اور ایمان جیسے مقدس مفاہیم کو قدامت پسندی اور پسماندگی نیز فرسودگی کا آئینہ دار بتایا جاتا ہے۔ آزادی، اصلاح طلبی، پیار و محبت، جیسی اصطلاحات و اقدار کو بے راہ روی، دین سے دوری اور ہوس پرستی کا نام دے کر بے پردگی، ہوس رانی اور بے دینی کو آزادی کا نام دے دیا جاتا ہے۔

بات چونکہ توہین رسالت تک پہنچ آئی ہے، اس لیے مناسب ہوگا کہ اس پر کچھ تفصیل سے گفتگو ہو جائے۔ دنیا جانتی ہے کہ مسلم امت کی زندگی، وحدت اور قوت و توانائی کا راز حضورؐ کے ساتھ وابستگی اور عشق کی حد تک محبت میں مضمر ہے۔ اسی لیے ہزارہا سال سے مغربی نقشۂ جنگ کا اصلی ہدف مقام مصطفوی ہے۔ اہل مغرب جانتے ہیں کہ یہی مقام مصطفویؐ ملت اسلامیہ کا قلب اور دارالحکومت ہے۔ اس کے شکست و ریخت اور اس پر قبضہ جمائے بغیر اس ملت کو زیر کرنے اور اس کی تہذیب کو مغلوب کرنے کا اس سے کارگر کوئی اور نسخہ نہیں ہے۔ اس لیے آں حضورؐ کی ذات مقدس ان کے سارے حملوں کا اولین ہدف رہی ہے اور آج بھی ہے۔ اسی لیے سلمان رشدی جیسے لوگ مغرب کی آنکھوں کا تارا اور تسلیمہ نسرین ان کی ہیروئن ہے:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

غرض یہ کہ دنیا کے مختلف خطوں میں اس طرح کی کارروائیاں ہمہ آن جاری رہتی ہیں اور یہ کوئی ہماری بات نہیں ہے بلکہ ان کا اپنا اعتراف ہے، چنانچہ ہفت روزہ اکانومسٹ لندن نے کھلے طور پر اعتراف کیا: ''آج رسالت محمدیؐ پر یقین وایمان ہی مغربی تہذیب کا واحد حریف اور سب سے بڑا خطرہ ہے، اور یہی ایمان مسلمانوں کے لیے بے پناہ قوت کا سرچشمہ۔'' (۱۲)

اس وقت تہذیب کے دعویداروں کی طرف سے قانون توہین رسالت پر حملہ ہو رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ یہ قانون بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے اور اس کی وجہ سے مذہبی جنون اور تشدد کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ وغیرہ۔

☆اس سلسلہ میں بنیادی سوال یہ ہے کہ توہین رسالتؐ جرم ہے یا نہیں؟

ہر شخص جانتا ہے کہ ہتک عزت کو خواہ تحریری ہو یا زبانی، ہمیشہ قابل سزا جرم تصور کیا گیا ہے اور آج تک کسی کے خیال میں بھی نہیں آیا کہ کسی انسان کی بے عزتی اور توہین ایک فرد کا بنیادی حق ہے اور اس پر سزا دینا بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ اس ضمن میں یہ کہنا کہ جس کی بے عزتی ہوئی ہو وہی مدعی بن سکتا ہے معقولیت سے پرے بات ہے کیونکہ جب ایک عام آدمی کی توہین قابل تعزیر جرم ہے اور اس کے لیے ہتک عزت کا پورا قانون موجود ہے تو اس شخص کی توہین کیوں نہ قابل تعزیر ہو جو اربوں انسانوں کو اپنی جان و مال سے عزیز تر ہے۔ جس کی عزت سے ان کی عزت وابستہ ہے اور جس کی توہین سے ان کی ذات، ان کی عزت، ان کے دین، ان کے آئین اور ان کی ملت کی توہین ہوتی ہے۔ آں حضورؐ کا مقام ہر مسلمان کے لیے یہی ہے۔ فرمایا: **لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔** (۱۳)

☆ قانون توہین رسالتؐ پر دوسرا بڑا اعتراض یہ ہے کہ کیا اس جرم پر سزائے موت سخت اور تکریم انسانیت کے خلاف نہیں ہے؟

تو اس سلسلہ میں کس کو نہیں معلوم کہ انتہائی تہذیب یافتہ اور انسان دوست ہونے کے دعویدار ملکوں میں یہ سزا ہے اور مختلف جرائم پر بحال کی جا رہی ہے اور خود مغرب میں بھی اس قسم کی سخت سزاؤں کے قانون موجود ہیں اور ماضی میں تو زندہ جلا دیا بھی جاتا رہا ہے۔

لیکن اگر اعتراض یہ ہے کہ سزا جرم کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے تو سوچنا چاہیے کہ اس فیصلہ کا حق صرف ان لوگوں کو ہے جن کو جرم سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ نبی رحمتؐ کی صداقت، کردار، اخلاق، امانت وعدالت کو مجروح کرنا دراصل پورے دین، ایمان، آئین، ریاست اور پوری امت کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے اس سلسلہ میں قانون سازی کا حق بھی مسلمانوں کو ہی حاصل ہونا چاہیے اوران کے قانون میں اس جرم کی یہی سزا تجویز کی گئی ہے اوران کی عدالتوں کی اسے تائید حاصل ہے۔

☆اس حوالہ سے یہ سوال بھی اٹھایا جاتا ہے کہ یہ قانون تعصب پر مبنی ہے۔ چہ جائے کہ کسی اقلیتی فرقہ پر اس کی ضرب پڑتی ہو۔ اس کا اطلاق ونفاذ مسلمانوں پر بھی اسی طرح ہوگا جس طرح کسی غیر مسلم پر۔

رہا یہ سوال کہ اس قانون کی وجہ سے فرقہ واریت، مذہبی جنون اور تشدد میں اضافہ ہوا ہے۔ ظاہر ہے یہ سوال بھی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ ہمارے سیکولر اور روشن خیال مما لک جہاں اس طرح کا کوئی قانون نہیں ہے، وہاں پھر بھی فرقہ وارانہ فسادات اور جارحیت عام ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جارحیت اور تشدد میں اضافہ کا سبب یہ قانون نہیں بلکہ یہ جرم ہے جس ارتکاب تسلسل سے کیا جارہا ہے۔ اور پورے عالم اسلام کی غیرت ایمانی کو مجروح کیا جارہا ہے۔ چنانچہ اس قانون کی معقولیت کا اعتراف ہر اس شخص کو ہے جو منصف مزاج اور معتدل ہے۔ ایک مسیحی دانشور کے یہ الفاظ ایسے ہی موقف کی تائید کرتے ہیں: ہم اس قانون کے خلاف نہیں ہیں اور کوئی بھی سمجھ سکتا ہے اور کوئی بھی سچا مسیحی توہین رسالتؐ کا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی اس جرم کا مرتکب ہوتا ہے، تو وہ موت سے بھی بری سزا کا مستحق ہے، البتہ کسی بے گناہ کو اس قانون کا نشانہ بنانا صحیح نہیں ہے۔(۱۴)

یہ اعتراف ہر وہ شخص کرے گا جسے اسلامی قانون کی حکمتوں اور اس کے امتیازات سے کچھ بھی واقفیت ہوگی۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے حد کی سزا صرف حکومت دے سکتی ہے، فرد کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا اختیار نہیں ہے۔

عدلیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ گواہوں کی مناسب جانچ پڑتال کے بعد ہی فیصلہ کرے۔ اور حد کی سزاؤں میں شہادت کا معیار، عام شہادت سے بہت سخت اور غیر معمولی ہے۔ ایسے گواہوں کی شہادت ہی قابل قبول ہوگی جو صادق القول اور عادل ہوں، گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتے ہوں اور تزکیۃ الشھود پر پورے اترتے ہوں۔''(۱۵)

☆اثبات جرم میں ایک شبہ بھی رہ جائے تو اسلامی قانون یہ ہے کہ شک کا فائدہ ملزم کو ملے گا۔

حدیث میں ہے کہ:ادروأ الحدود بالشبهات ۔یعنی حدود کوشبہات کی بنا پرختم کردو۔(۱۶) یہ کوئی دعوی نہیں بلکہ اسلامی تاریخ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں جہاں شک کا فائدہ ملزم کوملا ہے۔

☆اسلامی قانون کا یہ بھی امتیاز ہے کہ اس میں ملزم کی نیت کی تعیین کا بھی التزام کیا گیا ہے۔نیت کے بغیر اسلامی قانون میں کوئی جرم موجب سزانہیں ہے۔(۱۷)

☆اسلامی قانون کا ایک بنیادی اصول حضورؐ کا یہ فرمان ہے:ایک مجرم کو بری کر دینے کی غلطی ایک بے گناہ کوسزا دینے کی غلطی سے بہتر ہے۔''(۱۸)

مذکورہ تصریحات اور قانون توہین رسالتؐ کی معقولیت کا واضح اشارہ دیتی ہیں نیز اس حوالہ سے ہراعتراض کا مسکت جواب ہیں۔ان تفصیلات کے ہوتے ہوئے اس قانون کو ہدف اعتراض بنانا کسی طور درست نہیں ہے۔

۴۔ملی شناخت کی تخریب:تہذیبی جارحیت کا ایک مؤثر ہتھکنڈا ان اقدار کی شبیہ خراب کرنا ہے، جو معاشرے کے استحکام اوران کی شناخت ہوتی ہیں۔قوموں اور ملتوں کی شبیہ بگاڑنے اورتہذیبی شناخت کومجروح کرنے سے معاشرہ کا انتشار اور بکھراؤ ایک بدیہی اور فطری امر ہے۔اس حربہ کواستعمال کرکے دشمن غالب تہذیب، مقابل تہذیب کوایسے موڑ پر لاکھڑا کرتی ہے جہاں اس کی اپنی کوئی شناخت نہیں ہوتی اس طرح سے پورا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوکر دوسروں کا دست نگر بن جاتا ہے۔یہ بات بھی مسلم ہے کہ انسان اپنی زندگی کی جہت کو منظّم کرنے اور اسے صحیح سمت میں حرکت دینے کے لیے کسی آئیڈیل کامحتاج ہوتا ہے خاص طور سے جوان نسل کا اپنے آئیڈیل سے متأثر ہونا ایک امر طبعی ہے۔ فطرت انسانی کا تقاضا اوراصول یہ ہے کہ یہ آئیڈیل اپنی قومی ملی اور روایتی تہذیب سےجس قدر سازگار اور ہم آہنگ ہوگا،معاشرہ اتنا ہی تعاون واشتراک اوراتحاد ویکجہتی کی نعمت سے مالا مال ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ حملہ آور تہذیب اس ملی شناخت کومٹانے میں لگی رہتی ہے اور تمام تر وسائل کو بروئے کار لاکر اپنی تہذیب کےفروغ کے لیےاپنے آئیڈیل تخلیق کرتی ہے۔آج کے معاشرہ میں عورتوں اورنوجوانوں میں لباس کی وضع قطع، بالوں کی تراش خرش ،سماجی راہ وروش اورطرز زندگی کی مخصوص حیثیت اسی تہذیبی جارحیت کی نمایاں علامات ہیں۔

فحشاء کا فروغ:معاشرہ کو متاثر کرنے والا ایک پہلو سماج میں منکرات وفواحش کا فروغ ہے۔ فطرت کے قانون میں اخلاقی بگاڑ کسی بھی معاشرہ کی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔تہذیبی جارحیت کا ایک

اہم ہتھیار معاشرہ میں فواحش کا فروغ ہے۔ غالب تہذیب میڈیا کے توسط سے اور بھرپور طریقے سے معاشرہ میں بے حیائی کو فروغ دیتی ہے۔ دشمن بے حیائی کے مختلف حربے استعمال کر کے نوجوان طبقہ کو، جو کسی معاشرہ کی ریڑھ کی ہڈی ہوا کرتا ہے، اپنا نشانہ بناتا ہے۔ ان کے اخلاق تباہ کرتا ہے، برائیوں کو عام کرتا ہے۔ موبائل انٹرنیٹ اور منشیات کے پھیلاؤ نیز اخلاق باختہ فلموں اور عریاں و نیم عریاں تصاویر کے ذریعہ معاشرتی بگاڑ کو فروغ دیتا ہے۔

تہذیبی جنگ میں جیسا کہ عرض کیا گیا انسانی جسم کو نشانہ نہیں بنایا جاتا، گھروں کو مسمار نہیں کیا جاتا بلکہ اس جنگ میں انسانی روح نشانہ پر ہوتی ہے۔ ملی اقدار ملیا میٹ کی جاتی ہیں۔ اجتماعی انسانی روابط کا خون ہوتا ہے اور ثقافتی شناخت کو مٹایا جاتا ہے۔ انسان کو حقیقی زندگی سے محروم کر کے حقیقی کردار کی جگہ مصنوعی کردار کو سنوارا جاتا ہے اور میڈیا کے طاقتور کندھوں پر بٹھا کر انہیں نمونۂ عمل بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ عریانیت وفحاشی کو جدیدیت کا نام دے کر جوانوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو آزادی، مساوات اور ترقی کے نام پر ہوس کا شکار بنایا جاتا ہے۔ بنت حوا کو ترقی کا نعرہ دے کر بے حجابی کے گر سکھائے جاتے ہیں۔ غرض معاشرہ کو ہر طرح سے بے راہ روی اور اخلاقی بگاڑ کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔

۶۔ قومی لسانی، جغرافیائی اور سیاسی اختلافات کو بڑھاوا دینا بھی تہذیبی جارحیت کا ایک کارگر ہتھکنڈا ہے۔ اس کے ذریعہ قوم، زبان، زمین اور گروہوں کو باور کرایا جاتا ہے کہ سب سے افضل تم ہو، باقی سب تم سے کم تر ہیں۔ اس ملک کے اصل باشندے تم ہو۔ اس لیے تمہیں ہر طرح کے حقوق واختیارات کا مالک ہونا چاہیے۔ فضل وکمال صرف تمہارا حصہ ہے۔ اس طرح انسانوں اور انسانوں کے مابین ناقابل عبور دیوار کھڑی کر کے اپنے سیاسی مفادات کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔ حالانکہ افضلیت کی بنیاد رنگ، زبان، وطن اور پارٹی نہیں بلکہ اعلی اخلاقی اقدار، تقویٰ اور ایمان ہے۔ **ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم** ۔(الحجرات:۱۳) اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے، جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اس آیت میں قرآن مجید نے پوری انسانیت کو اس عظیم گمراہی سے متنبہ کیا ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد کی موجب بنی رہی ہے۔ یعنی نسل، رنگ، زبان، وطن اور قومیت کا تعصب۔ مختصر الفاظ میں انسانیت کو تین اصولی حقیقتیں سمجھا دی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ تم سب کی اصل ایک ہے۔ ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری نوع وجود میں آئی ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے

کے باوجود تمہارا قبیلوں اور قوموں میں تقسیم ہو جانا ایک فطری امر تھا مگر اس اختلاف کا تقاضا یہ ہرگز نہ تھا کہ اس کی بنیاد پر اونچ نیچ، شریف ورذیل، برتر وکمتر کے امتیازات قائم کیے جائیں، ایک نسل دوسری نسل پر اپنی برتری جتائے، ایک رنگ کے لوگ دوسرے رنگ کے لوگوں کو ذلیل وحقیر سمجھیں اور ایک قوم دوسری قوم پر اپنا تفوق ثابت کرے۔ تیسری اصولی حقیقت یہ بیان کی کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت وبرتری کی اگر کوئی بنیاد ہے اور ہوسکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔(۱۹)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دشمن تہذیب ان تمام چیزوں کے لیے بڑے دلفریب اور خوش نما الفاظ اور طریقے استعمال کرتی ہے۔

تہذیبی جارحیت کے ذرائع

تہذیبی جارحیت میں یوں تو ہر ممکن ذریعہ استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس حوالہ سے کچھ خاص ذرائع یہ ہیں:

ا۔نظام تعلیم: تہذیبی یلغار کا اولین اور اہم ترین ذریعہ ووسیلہ کسی ملک کا نصاب تعلیم، نظام تعلیم ہوتا ہے۔شاید اس ضمن میں کسی دوسرے ذریعہ کا اتنا اہم رول نہیں ہوتا جتنا نظام تعلیم کا۔نظام تعلیم کے ذریعہ استعمار جو اہداف حاصل کرتا یا کرنا چاہتا ہے، ان میں سرفہرست یہ ہیں:

الف۔ غالب تہذیب کی علمی وسائنسی برتری کا اظہار واثبات اور دوسروں بالخصوص اسلام اور مسلمانوں کے علمی رول کی تضعیف اور ابطال۔ مثال کے طور پر نصاب تعلیم سے مسلم سائنسدانوں کی خدمات کو بتدریج کم کرنا اور مغربی مفکرین کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچانا۔ یہ کوئی اتفاقی یا سادہ سی بات نہیں ہے بلکہ دشمن کی سوچی سمجھی اسکیم کا اہم حصہ ہے اور ایسا کر کے وہ مقابل تہذیب کے رول کو کم سے کم کرنے یا سرے سے مٹانے کا کام انتہائی چابک دستی اور ہوشیاری سے کرتا ہے اور کر رہا ہے۔

ب۔نظام تعلیم میں ایسی چیزوں کا اضافہ کرنا جس سے انسان سماجی اخلاقی اقدار وافکار سے بے نیاز ہوکر مادی اور سرمایہ دارانہ سوچ کا دلدادہ ہو جاتا ہے۔موجودہ نظام تعلیم نے یہی سوچ پیدا کی ہے۔ اب انسان اس تعلیم کو حاصل کر کے ایک اچھا انسان رشہری بننے کے بجائے مادہ پرست بن جاتا ہے۔

ج۔مغربی نظام تعلیم کے ذریعہ مغربی ثقافت وتہذیب کا تسلط: نظام تعلیم کے ذریعہ بڑی خاموشی کے ساتھ غالب تہذیب کو فروغ ملتا ہے۔وطن عزیز بھی اسی راہ پر گامزن ہے، وہ مغرب کی نقالی کرتے

ہوئے اس ملک میں ایک مخصوص تہذیب، بھگوا تہذیب یا ہندتوا تہذیب کو ملک کی تمام اقلیتوں پر تھوپنا چاہتا ہے۔

۲۔میڈیا: تہذیبی جارحیت کا دوسرا اہم وسیلہ میڈیا ہے۔انسانی معاشرہ میں میڈیا وذرائع ابلاغ کی غیر معمولی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔مغرب اور اس کے اندھے مقلدین کا مغرب زدہ میڈیا معاشرہ کی حمیت اور قوت ارادی کو فروغ فحشاء کے ذریعہ کچلنا چاہتا ہے۔اس وقت عالمی سطح پر میڈیا کا جو رول ہے اور حیات انسانی کے جن شعبوں پر یہ اثر انداز ہو رہا ہے اس میں لبرل معاشرہ کا قیام واستحکام، گھریلو/عائلی نظام کی تباہی، عیش وعشرت کا فروغ، رشتوں کے تقدس کی پامالی، صارف معاشرہ (Consumer Society) کا قیام، اجتماعی زندگی سے لاتعلقی کی افزائش کے علاوہ یہی میڈیا معلومات اور تجزیوں پر اپنا تسلط قائم کر کے جھوٹ اور سچ کو خلط ملط کر کے حق اور باطل کے امتیاز کو محال بنا دیتا ہے۔حقیقی عوامی تحریک کو میڈیا کے ذریعہ رائی کے برابر جگہ دی جاتی ہے اور باغیوں کی جدوجہد کو تحریک آزادی کا نام دے دیا جاتا ہے۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی کرشمہ سازیاں ہیں جو میڈیا کے ذریعہ انجام پاتی ہیں۔

۳۔لٹریچر: مختلف زبانوں میں لاتعداد ناول وافسانے، بے علمی، بے مقصدیت اور لبرل سوسائٹی کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں اور اس طرح کا لٹریچر تیار کرا کے مقابل تہذیب کو شکست دینے کی کوششیں جاری ہیں۔اس لٹریچر میں ایسی تاثیر اور کشش پیدا کی جاتی ہے کہ نئی نسل اس سے متاثر ہو کر اپنی تہذیب و روایات سے وحشت زدہ ہو جاتی ہے اور دوسروں کی ہاں میں ہاں ملانے پر اپنے آپ کو مجبور پاتی ہے۔

تہذیبی جارحیت سے دفاع کے طریقے

تہذیبی جارحیت سماج کے ہر طبقہ پر اثر انداز ہوتی ہے۔یہ معاشرہ کے منتخب اور چیدہ افراد کو اپنا نشانہ بناتی ہے۔ جارحیت انسانیت کی پیشانی پر ذلت کا دھبہ اور بدنما داغ ہے۔معاشرہ کا ہر فرد، گھر، خاندان، تعلیم گاہ، اس کی زد میں آتے ہیں۔اس لیے ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے دفاع کے لیے میدان میں اترے اور اپنا فرض ادا کرے۔دفاع کے مندرجہ ذیل ذرائع ہو سکتے ہیں:

۱۔اس سلسلے میں پہلی ضرورت یہ ہے کہ تہذیبی جارحیت اور اس کے اہداف کی شناخت حاصل کی جائے کیونکہ کسی چیز کی شناخت کے بغیر اس کی مضرتوں سے محفوظ رہنا ممکن نہیں ہے۔اس سے غفلت و لاعلمی کا مطلب غلامی ہے لہٰذا یہ جاننا ضروری ہے کہ دشمن ثقافتی میدان میں کس کس مقام کو مورچہ

بنا رہا ہے اوران میں حساس ترین مقام کون سا ہے۔ یہ جاننے کے بعد ہی اس کا دفاع ممکن ہوگا۔اسی کے ساتھ دشمن کے حربوں اور ہتھکنڈوں کی معرفت کے ساتھ اپنی کمزوریوں کی شناخت بلکہ صحیح ترلفظوں میں اعتراف بھی ضروری ہے۔اس کے بغیر کوئی حکمت عملی اور منصوبہ بندی نہیں ہوسکتی۔

۲۔تہذیبی جارحیت سے بچنے اوراس کا دفاع کرنے کے لیے دوسری ضرورت اپنی ملی ثقافت سے کماحقہ واقفیت ہے کہ اپنی ثقافت سے معرفت کے بغیر دفاع مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔اور جاری تہذیبی وثقافتی جارحیت سے نجات دشوارتر ہے۔اپنی تہذیب سے ناآشنا قومیں،ملتیں اور مملکتیں پرائی تہذیب کی دلدادہ ہوجاتی ہیں۔اس حوالہ سے یہ بات بھی ضروری ہے کہ یہ معرفت قوم کا کوئی مخصوص طبقہ نہیں بلکہ ہر طبقہ،حکومت،میڈیا،اسکالرس،علماء،عوام،خواص سب حاصل کریں اور اپنا اپنا کردار ادا کریں اور یہ معرفت اعتقادات،اقداراورفلسفۂ اخلاق ہر پہلو پر حاوی ہو۔

۳۔اغیار کی غلامی کا ایک اہم سبب تعلیمی واقتصادی پسماندگی ہوتی ہے چنانچہ اس وقت ان میدانوں میں جو جس قدر پیچھے ہے،اسی قدر دوسروں کا غلام ہے۔اس پسماندگی کے ازالہ کی سنجیدہ کوشش بھی تہذیبی جارحیت سے بچنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔یہ بات کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ مغرب کی اقتصادی ترقی کا چمکتا سورج اسلامی ثقافت کا مرہون منت ہے۔اگر عالم اسلام اور امت مسلمہ اپنی ان کوتاہیوں پر قابو پالے تو علمی،سائنسی اور اقتصادی محرومی اور دوسروں کی وابستگی سے نجات پاسکتی ہے۔سائنس و ٹکنالوجی بھی تہذیب وثقافت کی منتقلی رتبادلہ کا اہم ترین وسیلہ ہیں۔

بات اگر اسلامی تہذیب کے تناظر میں کی جائے تو معلوم ہے کہ اسلام نے تعلیم وتعلم کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔قرآن پاک نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی اس تعلیم وعلم کو قرار دیا ہے۔نبی آخرالزماںؐ نے اپنا مقصد بعثت بتاتے ہوئے ارشادفرمایا:بعثت معلما (۲۰) مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔علم کی اہمیت کا اظہار آپؐ کے اس ارشاد میں بھی صاف نظر آتا ہے،آپؐ نے فرمایا:طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة (۲۱) علم کا حصول ہر مسلمان مردوعورت کا وظیفۂ حیات ہے۔

۴۔تہذیبی جارحیت ریلغار سے محفوظ رکھنے کے لیے گھریلو نظام کا استحکام بھی ضروری ہے۔اگر گھریلو نظام کی بنیادیں مضبوط ہوں،چھوٹوں ور بڑوں کے روابط درست ہوں،والدین اوراولاد اپنے حقوق وفرائض سے آگاہ ہوں،گھر کا ہر رکن اخلاقی اقدار کا محافظ و پاسبان ہو،شرم وحیاء کا عنصر اس پر غالب ہواور جوان نسل کو والدین اور بڑوں کی پوری سرپرستی حاصل ہوتو تہذیبی یلغار سے بڑی حد تک

معاشرہ کو بچایا جا سکتا ہے۔اس طرح سے وہ اپنی ثقافت سے آشنا ہوں گے،فضول اور لایعنی سرگرمیوں کے لیےان کے پاس اضافی وقت نہیں ہوگا اوران کی اخلاقی تربیت بھی ہوگی۔

۵۔تہذیبی جارحیت سے بچنے کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ غالب تہذیب کے ناپاک عزائم سے عوام الناس کو روشناس کرایا جائے کیونکہ سادہ لوح عوام اپنی ناواقفیت کی بنا پر بڑی آسانی سے دشمن کا آلہ کار بن جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ معاشرہ کے خواص اور دانشور اس سلسلہ میں اپنا کردار ادا کریں،معاشرہ کے مختلف طبقات کو دشمن کے اس وار سے ہوشیار اور باخبر کر کے اس کی مضرتوں سے پردہ اٹھائیں۔

تہذیبی جارحیت کے بعض مظاہر

ا۔مدت ہائے دراز سے مسیحی اور مغربی اہل علم و مفکرین کے ذریعہ پیغمبر اسلام رحمت عالمؐ،قرآن پاک اور اسلام پر جھوٹے،رکیک ارنہایت دل آزار زبان میں جو حملے کیے جارہے ہیں وہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ہی نہیں ہر انصاف پسند اور منصف مزاج انسان کے لیے سخت اذیت کا باعث ہیں اور تہذیبی جارحیت کا اس سے بڑا مظہر شاید دوسرا نہیں ہوسکتا۔جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو وہ تمام مذہبی شخصیات کا حد درجہ احترام کرتے ہیں،ان کے متعلق کوئی خلاف ادب بات زبان سے نکالنا ان کے عقیدہ میں کفر ہے حتی کہ حضرت مسیحؑ اوران کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام پر توان کا ویسے ہی ایمان ہے جیسا حضرت محمدؐ کی نبوت پر ہے۔اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ محمد عربیؐ کے ساتھ دوسرے انبیاء پر بھی ایمان نہ لائے کہ ان کے رسولؐ اور ان کی کتاب نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ارشاد ہے: كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۔ترجمہ:یہ سب اللہ پر،اس کے فرشتوں پر،اس کی کتابوں اوراس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں(وہ کہتے ہیں) ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔(البقرۃ:۲۸۵)

اسی طرح مسلمان صرف قرآن ہی کو خدا کی کتاب تسلیم نہیں کرتے بلکہ توریت،انجیل اور دیگر کتب سماوی کو بھی خدا کی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔دنیا کا کوئی مسلمان ان مقدس کتابوں کی توہین کا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتا۔اس کے باوجود مسیحی وغیر مسیحی دنیا کی طرف سے صدیوں سے پیغمبرؐ،قرآن مجید اور دیگر مقدسات،جو اصلا صرف مسلمانوں کی نہیں ہیں،ان کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔جس سے شدید منافرت پیدا ہوتی ہے اور خود مسیحی عوام کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔لہٰذا جب تک اس جارحانہ طرز عمل کی اصلاح نہیں ہوتی،امن کی خواہش محض خواہش ہی

رہے گی اور عالم انسانیت امن سے محروم ہی رہے گا۔

۲۔تہذیبی جارحیت کا دوسرا مظہر وہ مشن اور مشنریاں ہیں جو مسلم ملکوں اور آبادیوں کو اسلام چھوڑنے اور دوسرا مذہب اختیار کرنے کے لیے دباؤ ڈالتی ہیں اور روز بروز اس مشن میں اضافہ ہورہا ہے۔اپنے مذہب اور فکر کی تبلیغ کی حد تک تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات صرف تبلیغ کی نہیں ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ایسے طریقے اختیار کیے جارہے ہیں جو واضح طور پر سیاسی دباؤ، معاشی طمع اور اخلاقی واعتقادی تحریف کی تعریف میں آتے ہیں اور جنہیں مشکل سے ہی کوئی صاحب عقل اشاعت مذہب کے جائز ذرائع تسلیم کرے گا۔اس تعلق سے بھی مسیحی برادری سب سے پیش پیش ہے۔ایک زمانہ میں انہوں نے براعظم افریقہ کے ایک بڑے حصہ میں مسلمانوں کو تعلیم سے محروم رکھنے کی اسکیم بنائی اور تعلیم گاہوں کے دروازے ہر اس شخص کے لے بند کردیے گئے جو مسیحیت قبول نہ کرے، یا کم از کم اپنا اسلامی نام تبدیل کرکے مسیحی نام اختیار نہ کرلے۔یہ ایک بڑی ناانصافی اور کھلی جارحیت تھی، جو مسلم اکثریت رکھنے والے افریقی ملکوں میں کی گئی۔سوڈان میں برطانوی استعمار کی مدد سے ان مشنریوں نے اس کے ایک حصہ کو اپنے لیے مختص کرلیا جس میں تعلیم وتبلیغ کا حق صرف مسیحی مشنریوں کو حاصل تھا،مسلمانوں کے لیے اپنے دین وعقیدہ کی تبلیغ تو کجا دوسری اغراض کے لیے بھی وہاں جانے پر پابندی عائد کردی گئی۔ظاہر ہے یہ تبلیغ نہیں بلکہ ایمان وضمیر کی خرید وفروخت ہے۔یہ مشنریاں ایسی نسلیں تیار کررہی ہیں جو صحیح معنوں میں میں عیسائی ہیں نہ مسلمان، بلکہ اپنے اخلاق وعقیدہ،فکر و تہذیب، زبان اور طرز معاشرت کے اعتبار سے ایک الگ ہی نسل ہیں۔ان کے اندر الحاد وبے دینی کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور وہ کسی کے کام کے نہیں رہ جاتے۔

شاید اسی ایجنڈے کو آگے بڑھاتے ہوئے ملک عزیز میں بھی کئی ایسی تحریکیں سرگرم عمل ہیں، وہ کبھی گھر واپسی کی مہم چلاکر،کبھی وندے ماترم کو لازم قرار دے کر اور کبھی گئو رکشا کا نعرہ لگا کر اور کبھی کچھ ایسی ہی دوسری چیزوں کو بہانہ بناکر ملک کی سب سے بڑی اقلیت کو نشانہ بنارہی ہیں، حالیہ دنوں رونما ہونے والے بے شمار واقعات ان کی جارحیت پسندی اور ہندتوا تہذیب کو بزور مسلط کرنے کی صاف گواہی دیتے ہیں۔ہمارے نزدیک اور ہر عقل سلیم کی میزان میں اس مشن کو کسی طور مذہبی تبلیغ واشاعت نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ اسلام اور تہذیب اسلامی کے خلاف کھلی سازش ہے۔

۳۔آئے دن مسلم دنیا کو ایسے تلخ تجربات سے گزرنا پڑرہا ہے،جس سے یہ احساس قوی ہوتا ہے

کہ ایک مخصوص فکر ونظر اور تہذیب کا حامل طبقہ ان سے شدید بغض وعناد رکھتا ہے۔ اور اس بغض وعناد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ مثال کے طور پر عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل کی فتح پر پورے یورپ وامریکہ میں مسرت وشادمانی کا اظہار، فلسطین میں اسرائیلی ریاست کا قیام اور دنیا بھر کے یہودیوں کو لالا کر فلسطین میں بسانے کی کوشش اور پھر امریکی دباؤ کے تحت اقوام متحدہ کے فیصلہ کے تحت اس مصنوعی ریاست کی یہودی ریاست میں تبدیلی، جس کی رو سے ۳۳ فیصد یہودی آبادی کو فسلطین کا ۵۵ فیصد رقبہ الاٹ کیا گیا۔ یہ اور اس طرح کے بے شمار واقعات بدترین جارحیت اور کھلی ناانصافی کی تعریف میں آتے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے دنیا میں قیام امن کی خواہش ایک کارعبث ہی محسوس ہوتا ہے۔ ہندوستان کے تناظر میں بابری مسجد کی شہادت، گیان واپی مسجد اور متھرا عیدگاہ کا مسئلہ، ملک کے بہت سے علاقوں میں جاری فرقہ واریت، یہ سب تہذیبی جارحیت کے مظاہر ہیں۔

ایسے میں انسانیت کو ہمارا پیغام یہ ہے کہ یہ پوری زمین اللہ کی سلطنت ہے، اس اللہ کی جو سارے انسانوں کا خالق ومالک ہے اور انسان فطری طور پر اس کا بندہ وغلام ہے اس لیے ہر زمانہ کے انسانوں کے لیے صحیح رویہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ خدا کی بندگی واطاعت کریں یعنی اس قانون کی پیروی کریں جو اس کائنات کے خالق نے اپنے رسولوں کے ذریعہ بھیجا ہے اور وہی اصل تہذیب ہے۔ اس قانون سے سرتابی وانحراف کے نتیجہ میں ہمیشہ انسان ایسے پیچیدہ مسائل سے دوچار رہا جن کو کبھی وہ صحیح طور پر حل نہیں کر سکا۔

جدید تہذیب وتمدن چونکہ خدا کی اطاعت سے انحراف اور اس کی بھیجے ہوئے قانون سے بغاوت پر مبنی ہے، اس لیے اس نے بے شمار ایسے مسائل کو جنم دیا ہے جن کے حل پر انسان قادر نہیں ہے۔ تہذیب جدید نے خاندانی نظام کو درہم برہم کیا، اسی تہذیب کی بدولت رنگ ونسل کے امتیازات اتنے بڑھ گئے کہ دنیا میں انسانیت پر کبھی اتنا ظلم وستم نہیں ہوا جتنا رنگ ونسل کی اس تفریق کی وجہ سے ہوا ہے۔ نیشنلزم کا وہ طوفان جس کی بنا پر دنیا دو عظیم جنگوں سے دوچار ہوئی اور تیسری کے آثار دکھائی دے رہے ہیں، اسی تہذیب کا برپا کردہ ہے۔ اس کے بجائے اگر اس فطری قانون کو اختیار کیا جائے جو انسانوں کے خالق کا بنایا ہوا ہے تو یہ مسائل سرے سے پیدا ہی نہ ہوں گے اور کبھی اگر پیدا بھی ہوئے تو آسانی حل ہو جائیں گے۔ اس کے سوا ان مسائل اور الجھنوں کا کوئی دوسرا حل آج کے انسان کے پاس نہیں ہے۔

حوالہ جات:

(۱) Chambers Dictionary, Alied Publications P. Ltd,

Delhi-1972, P: 23
(۲)www.wikipedia.org
(۳) جامع اردو انسائیکلو پیڈیا، قومی کونسل برائے فروغ اردو، ج ۳ ص ۱۶ ۔۲۱۴۔ دہلی، ۲۰۰۲ء۔
(۴) تہذیبی جارحیت اور ہماری ذمہ داریاں شائع کردہ مطہری فکری و ثقافتی مرکز، کشمیر ۲۰۱۳ء
۳۳۔۳۴
(۵) تہذیبی جارحیت اور ہماری ذمہ داریاں شائع کردہ مطہری فکری و ثقافتی مرکز، کشمیر
۲۰۱۳ء، ص ۳۵
(۶) تہذیبی جارحیت اور ہماری ذمہ داریاں شائع کردہ مطہری فکری و ثقافتی مرکز، کشمیر
۲۰۱۳ء، ص ۳۶
(۷) تہذیبی جارحیت اور ہماری ذمہ داریاں شائع کردہ مطہری فکری و ثقافتی مرکز، کشمیر
۲۰۱۳ء، ص ۳۸
(۸) مودودی، سید ابوالاعلی۔ الجہاد فی الاسلام، دیباچہ ص: ۱۶، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۲۰۰۷۔
(۹) عمر حیات خاں غوری، اقبال اور مودودی مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ ۱۹۸۱ء ص ۶۵
(۱۰) ملاحظہ ہو تنقیحات، سید مودودی۔ ص ۵۔۷، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۲۰۰۶ء
(۱۱) خرم مراد۔ مغرب اور عالم اسلام، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء ص ۲۰۔
(۱۲) صحیح بخاری، کتاب الایمان باب حب الرسول من الایمان وسنن النسائی کتاب الایمان
باب علامۃ الایمان۔
(۱۳) عالم اسلام اور عیسائیت، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد۔ جون ۱۹۹۴ء ص ۴
(۱۴) محمد اسماعیل قریشی، ناموس رسولؐ اور قانون توہین رسالت، ص ۴۶۶، لاہور ۱۹۹۹ء۔
(۱۵) ایضاً ۴۶۶
(۱۶) ایضاً ۴۶۷
(۱۷) سنن البیہقی، ۱۸۴/۸
(۱۸) ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی، سید مودودی، ص ۱۳۲۱ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۲۰۱۰ء

تبصراتی مضمون

خواتین میں اسلامی تحریک

جوھر جاوید، گیا۔ بہار

موبائیل نمبر:08409640946

''خواتین میں اسلامی تحریک'' تحریک اسلامی ہند کے جواں عزم وژنری قائداور ایس آئی او آف انڈیا کے سابق کل ہندصدر جناب سید سعادت اللہ حسینی کے قلم سے اپنے موضوع پر ایک منفرد نوعیت کی کتاب ہے۔دراصل یہ آپ کے ان متفرق مگر بہت ہی فکر انگیز اور بیش بہا مضامین کا مجموعہ ہے جو ماہنامہ حجاب اسلامی میں ۲۰۰۵ء کے آس پاس شائع ہوئے۔

ہمارے دینی لٹریچر میں عورت کا موضوع ہمیشہ زیر بحث آتا رہا ہے۔ اسلام میں خواتین کے حقوق، ان کی ذمہ داری اور مغرب سے اٹھنے والے سوالات واعتراضات کا ہمارے قدیم وجدید مفکرین ومصنفین نے اپنی تصنیفات وتالیفات میں بھرپور جائزہ لیا ہے۔مگر اس کتاب میں خواتین کے جن اشوز کو زیر بحث لایا گیا ہے وہ غالباً پہلے کبھی زیر بحث نہیں آئے تھے۔قدیم وجدید لٹریچر میں ایک عورت کو تمدن انسانی کا مرکز ومحور اور گلشن ارضی کی زینت ضرور تسلیم کیا گیا ہے مگر اسے گھر کی چہار دیواری سے باہر اپنے حقوق کے حصول کے لیے اصرار کرتے، سماجی اشوز کو ایڈریس کرتے اور دنیا کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار ادا کرتے کبھی نہیں دکھایا گیا۔حالانکہ اسلامی تاریخ میں خواتین نے خاوند کی اطاعت شعاری اور بچوں کی پرورش سے آگے بڑھ کر سماج کو سہارا بھی دیا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں انسانیت کی رہنمائی بھی کی ہے۔اس کتاب میں مصنف نے قرآن وسنت اور اسلامی روایات کی روشنی میں عورت کے اسی مقام ومرتبہ کی بازیافت کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر ہمارے قدیم وجدید لٹریچر میں یک گونہ منفرد نوعیت کی حامل اس لیے بھی ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں خواتین کے مطلوبہ رول اور ان کے مقام ومرتبہ کے سلسلے میں رائج مختلف سماجی وفقہی روایات اور جدید وقدیم زمانے کے انحرافات کے برخلاف قرآن وسنت کی روشنی میں

صحیح اسلامی موقف سے متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔مصنف کی خوبی یہ ہے کہ وہ نہ صرف قرآن وسنت اور اسلامی اقدار وروایات پر بلکہ جدید افکار ونظریات، دنیا کے بدلتے ہوئے حالات اور اس کے تقاضوں سے بھی واقف ہیں۔انہوں نے ایس آئی او آف انڈیا کی صدارت کے دوران ملک و بیرون ملک کے دور دراز علاقوں کے اسفار کے دوران مشاہدہ اور مطالعہ پر مبنی بیش بہا افکار کو سنجیدگی ،متانت، قوت استدلال، دلسوزی اور بعض مقامات پر جرأت کے ساتھ پیش کیا ہے۔(مقدمہ)

اسلامی تاریخ دنیا کے سامنے بہترین اور پاکیزہ خواتین اسلام کا نمونہ پیش کرتی ہے۔اسلام پسند خواتین نے تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں متعدد حیثیتوں سے امتیاز حاصل کیا اور نہایت عظیم کارنامے انجام دیے ہیں۔ازواج مطہرات، صحابیاتؓ اور تابعیات وصالحات کی زندگیاں اس کی روشن مثالیں ہیں۔ ان خواتین اسلام نے قرن اول اور اس کے بعد کی صدیوں میں نہ صرف دینی و مذہبی امور ومعاملات میں امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا بلکہ اخلاقی، معاشرتی اور علمی کارنامے بھی سرانجام دیے۔

سماج کی تعمیر وترقی مین ان خواتین اسلام کا کردار بہت ممتاز، درخشاں اور مثالی ہے۔اسلامی تاریخ میں ان کی خدمات جلیلہ کا دائرہ اتنا وسیع اور ہمہ جہت ہے کہ وہ مردوں سے کسی میدان میں بھی فروتر نظر نہیں آتیں۔حفظ قرآن کا میدان ہو یا تجوید وعلم قرأت کا یا پھر تفسیر، حدیث، فقہ ودیگر علوم وفنون کا، ہر میدان میں وہ کامل یکسوئی، جوش وخروش اور ماہرانہ بصیرت کے ساتھ اپنا کردار ادا کرتی نظر آتی ہیں۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، رابعہ بصریہ وغیرہ۔یہ قرون اولی کی ان خواتین کے نام ہیں جن کے کارنامے اور احسانات سے ملت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

نبی اکرمؐ نے نصف علم کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ وابستہ کیا۔آپؐ سے دو ہزار سے زائد احادیث مروی ہیں۔آپؓ علم حدیث کے علاوہ شعر وادب، تاریخ، قانون، طب، فلکیات، اور ریاضی جیسے علوم کی بھی ماہر تھیں۔آپؓ نے دوسرے راویوں کی احادیث کی جو تصحیح فرمائی ہے اس پر ایک مستقل کتاب امام زرکشی کی کتاب الاجابۃ ہے۔(خواتین میں اسلامی تحریک ص ۱۵۵) حضرت ام کلثوم فقہ میں مہارت رکھتی تھیں۔اسی طرح دیگر خواتین نے بھی علمی میدان میں بیش بہا خدمات انجام دیں، جن کی تفصیلات اسلامی تاریخ میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔

دین فطرت اسلام نے خواتین کو حصول علم کی مکمل آزادی دی، معاشی لحاظ سے اسے قوت اور آزادی عطا کی۔وراثت میں ماں، بیٹی، بیوی کی حیثیت سے حصہ مقرر کیا، اور اس کے مال میں خواہ وہ

کسی بھی صورت میں ہو یا آیا ہو، اس میں مرد کے مالکانہ حق کی نفی کی۔ وہ اپنے مال میں بلاشرکت غیرے نہ صرف یہ کہ مالک ہے بلکہ اس میں تصرف کا مکمل اختیار رکھتی ہے۔ اسی طرح اسلام نے عورتوں کو رائے کی بھی مکمل آزادی دی، وہ کسی بھی دینی و دنیوی معاملے میں اپنی رائے دے سکتی ہے، اس کی رائے کی سماعت ہوگی، عورت کی رائے کو مردوں کی رائے یا آراء سے کسی صورت بھی فروتر نہیں سمجھا گیا۔ اسلامی تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ بعض صحابیات کی میدان جنگ میں شرکت اور اسلامی افواج کی مدد کا تذکرہ بھی اسلامی تاریخ میں ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس سرگرمی کو بھی کبھی معیوب نہیں سمجھا گیا۔

اس کے علاوہ قرآن کریم اور نبی اکرمؐ کے ارشادات مبارکہ شاہد ہیں کہ سماج میں بھلائی کے فروغ اور برائی کی بیخ کنی کے لیے خواتین کو مومنین کا رفیق کار قرار دیا گیا ہے۔ (سورہ توبہ)

اسلام ان تمام امور میں خواتین کو آزادی اور قوت عطا کر کے ان سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان حقوق کو صرف انجوائے نہ کریں بلکہ ان حقوق سے محرومی اور پامالی کی صورت میں اپنے حقوق کے حصول اور بازیابی کے لیے کھڑی ہوں۔ انہیں قانونی چارہ جوئی کے بھی بھرپور مواقع حاصل ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ حدود شریعت میں رہتے ہوئے اپنے حقوق کی بحالی کے لیے جدوجہد کریں اور بیدار مغزی، شعور اور فعالیت کا بھرپور مظاہرہ کریں۔ تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے جب کبھی ایسا کیا ہے، ان کی اس کوشش کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ کسی نے بھی اس پر کبھی نکیر نہیں کی ہے۔

خواتین میں اسلامی تحریک کے مصنف اکیسویں صدی کی خواتین اسلام کو بھی ان تمام سرگرمیوں کے لیے متحرک اور فعال ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری خواتین ملک کے سلگتے ہوئے مسائل میں دلچسپی لیں، ان کے حل کی سنجیدہ کوشش کریں، اس مقصد کے لیے تحریکیں چلائیں، سوسائٹی کو نیا رنگ اور نئی شکل دینے میں اپنا رول ادا کریں۔ ایک تحریکی خاتون کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے اطراف ظلم، زیادتی، برائی، بداخلاقی اور گندگی دیکھے اور خاموش رہے۔''

اسلام میں خواتین کا مقام و مرتبہ اور ان کی پوزیشن بالکل واضح ہے۔ انہیں علمی و عملی میدان میں اپنی سرگرمیاں سرانجام دینے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ شریعت اسلامیہ نے ان کے حقوق و فرائض بھی واضح انداز میں متعین کر دیے ہیں۔ مگر عہد نبویؐ اور عہد خلفاء راشدین سے جس قدر بعد ہوتا گیا، خواتین کے مقام و مرتبہ اور ان کی پوزیشن کی تعیین میں افراط و تفریط در آئی۔ مغربی معاشرے نے جہاں

ایک طرف آزادی نسواں اور تحریک نسواں کی آڑ میں اس صنف نازک کو ذلت وپستی کے قعر مذلت میں ڈھکیل دیا، مغربی معاشرہ فحاشی، عریانیت، آزادی، اور اباحیت پسندی کی آماجگاہ بن گیا۔ اور حیرت تو یہ ہے کہ مغرب اس کے برے نتائج بھگت بھی رہا ہے، مگر ہوش کے ناخن لینے کے بجائے وہ اب بھی اسے اپنی تہذیب کا قابل فخر جز سمجھتا ہے۔

اس کے بالمقابل مسلم معاشرہ ہے جہاں خواتین کے حقوق قولی اعتبار سے مسلم ہیں۔ مگر عملی اعتبار سے عورتوں کو ان حقوق واختیارات سے محروم ہی رکھا گیا ہے جس کی شریعت اسلامیہ نے انہیں ضمانت دی تھی۔ مسلم معاشرے کی اسی بے عملی کا نتیجہ ہے کہ آج ہر طرف سے اسلام پر یورش ہو رہی ہے۔ اللہ کے دین کو طرح طرح کے لغو اتہامات کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اور اسلامی اقدار اور روایات کو ناقص بلکہ ظلم اور عدم مساوات سے عبارت باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور پوری قوت کے ساتھ تمام طرح کے ذرائع ابلاغ کا سہارا لے کر اس بات کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کر رکھا ہے اور اس کے ساتھ عدم مساوات کا معاملہ کرتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں عدل ومساوات اور خواتین کے امپاورمنٹ کا مغربی تصور قبول نہیں، لیکن جذباتیت سے اوپر اٹھ کر ہمیں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ مسلم معاشرے میں خواتین کے صحیح مقام ومرتبہ کا عملی تعارف ہنوز تشنگی رکھتا ہے۔ ہندوستان کے مسلم سماج میں آج بھی اکثریت ایسے گھرانوں کی ہے جہاں عورت محض اپنے شوہر کا ضمیمہ سمجھی جاتی ہے۔ اسے اپنی شخصیت کا ارتقاء اور اپنی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال کے مواقع حاصل نہیں، اعلیٰ تعلیم کا حصول ان کے حق میں ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ عملی زندگی اور سماجی کاموں میں شرکت تو گویا اس کے حق میں شجرہ ممنوعہ ہے۔ اور چونکہ پہلے ہی اسے کم عقل قرار دے دیا گیا ہے اس لیے اس سے مشاورت کیونکر ضروری ہو، ہندوستان کے مسلم معاشرے میں جہیز آج بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی مسلم سوسائٹی میں جہیز اور گھوڑے جوڑے کا مطالبہ کرنے والوں کو وہ ناپسندیدگی اور رسوائی ملی ہے جو چورا چکوں کو ملا کرتی ہے۔ مصنف اس پوری صورت حال کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس صورتحال کے باوجود آخر کیا وجہ ہے کہ مسلم سوسائٹی میں اور خاص طور پر عورتوں کے درمیان ان سب انحرافات کے خلاف بغاوت کی کوئی مضبوط تحریک نہیں اٹھتی؟ جو عورتیں اپنے حقوق کے سلسلہ میں حساس ہیں انھیں اس بات کا اطمینان ہونا ضروری ہے کہ جو حقوق اسلام نے انھیں دیے ہیں وہ صرف کتابوں میں لکھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ عملاً بھی

دیے جارہے ہیں۔اوراگرنہیں دیے جارہے،توانھیں دلانے کی کوششیں ہورہی ہیں۔ان کے جائزحقوق کے لیےصرف مغرب زدہ نام نہادنسوانی تحریکیں ہی کوشاں نہیں ہیں بلکہ ان سےزیادہ اخلاص کےساتھ اسلام پسند حلقے کوشاں ہیں۔عورتوں کو'مغرب کی گود میں جانے'' سے بچانے کے لیے اس یقین کا پیدا کیا جانا اولین ضرورتوں میں سے ایک ہے۔''ص ۲۵

''خواتین میں اسلامی تحریک'' کتاب کا مرکز ومحور مصنف کی یہ فکر ہے کہ مسلم خواتین کو اعلی صلاحیت کا حامل اور باکمال، بااختیاراور بااثر بنایاجائے تاکہ وہ سماج کی تعمیر وترقی میں اپنارول کماحقہ ادا کرسکیں۔یہی وہ خواب ہے جسے شرمندۂ تعبیر کرنے کی جستجو ان مضامین کی اشاعت کامحرک بنی ہے۔ مصنف تحریک اسلامی کی خواتین کےاندر ہمہ جہت بیداری لانے کی ضرورت پرزوردیتے ہیں۔تحریک اسلامی کی خواتین کوامر بالمعروف ونہی عن المنکر کےفریضے کی ادائیگی ،خواتین میں تعلیم کےفروغ ،صحیح دینی شعور کی ترویج، دینی علوم اوراخلاقی قدروں کی اشاعت، جہیزاورخواتین کے استحصال کےخلاف منظّم جدوجہد کے لیے پیش قدمی کرنی ہوگی تب ہی خواتین کے اس مقام ومرتبہ کی بازیافت ہوسکےگی، جس کی نظیرہمیں قرن اول اورعہد وسطی کی اسلامی تاریخ میں ملتی ہے۔

مصنف نے ملک وبیرون ملک کی متعددنسائی تحریکات،ان کےوژن،دائرہ کاراورعملی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئےتحریک اسلامی ہند کی خواتین کے فعال ہونے پرزوردیاہے۔اپنے مضمون،عالمی اسلامی تحریکات اورخواتین کےاختتام پرلکھتے ہیں:

''ملیشیا،سوڈان اورایران کی بہنوں نے اپنے عملی رول سے یہ واضح کیا ہے کہ اسلامی اقدار کےدائرہ میں خواتین کے لیےکتنی وسعتیں ہیں اوروہ خالص اسلامی معاشروں میں رہتے ہوئے،اوراسلامی اقدارکوسینے سےلگائے ملک وقوم کے لیے کیسےتعمیری کام انجام دےسکتی ہیں۔اس عملی شہادت کافریضہ ابھی ہندوستان کی مسلم خواتین پرباقی ہےاور جب تک اس فریضہ کی ادائیگی کی کوشش شروع نہیں ہوتی شاہ بانو اورعمرانہ جیسی خواتین ہی ہندوستانی مسلم خواتین کی علامات سمجھی جاتی رہیں گی''۔ص ۴۸

جدیددورانفجارعلمی کادورکہلاتاہے۔بہت تیزی کےساتھ علم میں اضافہ ہورہاہے۔تحریک اسلامی ہندکی خواتین کوسنجیدگی کےساتھ اعلی تعلیم کی طرف توجہ کرنی ہوگی۔بدلتے ہوئے حالات کےتقاضوں کو

سمجھنا ہوگا۔اوراس کی مدداور روشنی میں مسلم معاشرہ کی تشکیل جدید کا فریضہ انجام دینا ہوگا۔ جب تک تحریک اسلامی ہند کی خواتین علمی میدان میں خاطر خواہ پیش قدمی نہیں کریں گی ہم اپنی آئندہ نسلوں سے بھی پرامید نہیں رہ سکتے۔

اسلام نے ماں کی گود کو بچے کا اولین مدرسہ قرار دیا ہے۔جس طرح ایک بچے کے لیے اس کی ماں اس کی تمام انسانی ضرورتوں اور خواہشات کی تکمیل کے لیے مرجع ہوتی ہے۔ایک ماں کو اپنے بچے کا علمی وفکری اعتبار سے بھی مرجع بننا چاہیے۔جس طرح وہ اپنی تمام طرح کی ضرورتوں اور خواہشات کی تکمیل کے لیے اپنی ماں کی گود کا رخ کرتا ہے ویسے ہی علمی وفکری مسائل کے حل کے لیے بھی وہ اپنی ماں کا رخ کرے ایسی صورت حال بنانی پڑے گی۔ یہ کام بغیر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے ممکن نہیں ہے۔اعلیٰ تعلیم ہماری ماؤں اور بہنوں کے اندر خود اعتمادی پیدا کرے گی،ان کے کامن سنس میں اضافے کا سبب بنے گی اور وہ اس کے ذریعہ ہر مسئلہ کا بہتر سے بہتر حل تلاش کرنے کی پوزیشن میں ہوں گی۔ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ماں کے سایہ عاطفت میں تربیت یافتہ بچوں کی ذہنی وفکری نشوونما بہتر طریقے پر ہو سکے گی بالمقابل کم تعلیم یافتہ ماں کے زیر سایہ تربیت یافتہ بچوں کی ذہنی وفکری نشوونما سے۔ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ماں اپنے بچوں کی نفسیات کا بہتر شعور رکھے گی اور زندگی کے ہر میدان میں ان کی رہبری کا فریضہ انجام دے گی۔ اسی لیے قرآن کریم نے کہا ہے کہ کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور علم کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اپنی زندگی میں وہ ان کے برابر ہو جائیں گے جنہیں علم کی روشنی میسر نہیں اور نہ وہ اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

نئی نسل کی صحیح تربیت کے لیے خواتین کی اعلیٰ تعلیم پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اعلیٰ تعلیم اور صحیح اسلامی شعور کے امتزاج ہی سے یہ ممکن ہے کہ ماں بچے کو اپنی گود میں ایک نئی دنیا کا خواب دکھائے۔تاکہ وہ ایک نئے تمدن کی معماری کا وژن اور صلاحیت حاصل کریں۔ص۱۶۲۔مضمون کے اختتام پر طالبات اور خواتین کی تنظیموں کی ذمہ داری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’طالبات وخواتین کی تنظیموں کی ذمہ داری بنیادی دینی علوم اور اخلاقی قدروں کی اشاعت تک محدود نہیں ہے۔انہیں مسلم خواتین میں اعلیٰ تعلیم کے لیے جدوجہد کرنی ہے۔اعلیٰ تعلیم سے مراد محض ڈگریوں کا فروغ نہیں ہے بلکہ حقیقی علمی معراج کا فروغ ہے۔ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ امت کو تعلیم یافتہ، باشعور، بیدار مغز اور باصلاحیت مائیں عطا کریں۔ص۱۶۳۔

مصنف کا ماننا ہے کہ اسلامی تحریک کے پاس اس وقت بہت اچھا خواتین کیڈر موجود ہے بلکہ بعض وجوہ سے یہ مردوں کے کیڈر سے بھی ممتاز ہیں۔ کمی جس بات کی ہے وہ یہ ہے کہ قائدانہ صلاحیتوں کی حامل اور فیلڈ ورک کے لیے درکار گوناگوں عملی صلاحیتوں سے آراستہ خواتین تحریک اسلامی کو اس تناسب میں نہیں مل پاتیں جس سے کہ وہ مؤثر کام کر سکیں۔ جس دن تحریک اسلامی کی یہ ضرورت پوری ہونی شروع ہو جائے گی مصنف پرامید ہیں کہ آئندہ چند سالوں میں اس تحریک سے ان شاء اللہ ایسی خواتین ملیں گی جو ملک بھر میں خواتین کی تحریک کو نیا رخ دے سکیں گی۔

اخیر میں اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مصنف نے جب بھی یہ بات کہی ہے کہ مسلم خواتین کو ایک تحریک بن کر اٹھنے اور اپنے حقوق کے لیے جدجہد کرنے اور ملک وقوم کے لیے علمی، فکری، سماجی کاموں میں اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے تو اس سے ان کا منشا مردوں کے خلاف نسائی تحریک کھڑا کرنا نہیں ہے۔ اس تحریک کی مردوں سے کسی بھی طرح کی کشمکش کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہ تحریک مردوں کے خلاف نہیں ہوگی بلکہ غیر اسلامی روایات کے خلاف ہوگی، استحصالی رویوں کے خلاف ہوگی اور ان رواجوں کے خلاف ہوگی جن کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں ہے۔'' ص ۲۷

یہ اپنے مشمولات کے لحاظ سے خواتین اسلام کے لیے بیش بہا تحفہ اور لائق مطالعہ کتاب ہے۔

آج تم بے حساب یاد آئے!

امتیاز وحید، شعبۂ اردو، کلکتہ یونیورسٹی

08583870891/ ijnuwaheed@gmail.com

عبدالمبین فلاحی ۱۹۸۶۔۱۹۹۱ء میں میرا ہم سبق تھا۔ گول مٹول اور بھرے جسم کا مالک۔ انتہائی جی دار اور ناک والا انسان، جسے موت نے کم عمری ہی میں اپنی آغوش میں لے لیا۔ اپنی خوبیوں کے اعتبار سے وہ فلاح کا سچا سپوت اور سالم طبع انسان تھا۔ وہ فلاح کے اس عہد کا پروردہ تھا جب اس میں ایک مثالی ادارے کی کشش اور صحت مندی تھی۔ یہ ایک ایسا تجربہ گاہ تھا جہاں دھرتی پر آباد انسانوں کے متوقع سبھی اقسام کے نمونے یا حیوانِ ناطق موجود تھے۔ ایسے طلبہ کی کمی نہ تھی جو ہم جیسے خالص گاؤں دیہات کے کھردرے کلچر سے وارد ہوئے تھے۔ زبان، نشست و برخاست میں بالکل منفرد اور سب سے جدا۔ ایسے احباب بھی تھے، جنھوں نے کبھی بجلی پنکھا نہیں دیکھا تھا اور جو بانس یا ڈنڈے کی مدد سے چھت کے پنکھے کو گھما کر سائنسی ایجاد کے تحیر سے خود کو آشنا کرتے پائے جاتے تھے۔ تعلیم کے ساتھ فلاح پر 'تربیت' کی دہری ذمے داری عاید ہوتی ہے۔ اس رعایت سے فلاح کی لیباریٹری میں خاصے ناتراشیدہ پتھر تراش وخراش کے لیے داخل کیے جاتے تھے۔ ہمارا ممدوح عبدالمبین گوکہ ضلع بستی کے کسی گاؤں کا رہنے والا تھا تاہم اہل خانہ کے بمبئی میں سکونت پذیری کے سبب وہ شہری زندگی کے ہاؤ بھاؤ سے بھی واقف تھا اور کلیتاً ہماری طرح پتھر کے عہد کا انسان نہیں تھا۔ اس فضیلت کے باوجود وہ ہم سے الگ بھی نہیں تھا بلکہ وہ خاصا دہقانی اور مقامی خوبو سے متصف تھا۔ فلاح کے پانچ سالہ قیام کے دوران میں اس کی جدوجہد اور طبیعت کے کئی رنگ دیکھے۔ وہ رنگ اتنے گہرے اور پختہ تھے کہ موت سے بظاہر جدائی کے باوصف، اب بھی آنکھوں میں بسے ہوئے، شوخ اور تروتازہ ہیں۔

عبدالمبین فلاحی حافظِ قرآن تھا اور بیشتر اوقات اس کی تلاوت میں صرف کرتا تھا۔ وہ ایک اوسط درجے کا طالب علم تھا، پڑھنے لکھنے میں ضرورت بھر دلچسپی ضرور رہتی تھی، تاہم اس کے لیے جس ذہنی

فراغت کی ضرورت پڑتی ہے، شاید عبدالمبین کے پاس اس کی کمی تھی۔ وہ کچھ پریشان سا رہتا تھا۔ اندازہ ہے کہ اہلِ خانہ سے کچھ اَن بن ہوگئی تھی۔ اس میں بڑی حد تک اس کی اَنا کو بھی دخل تھا۔ سمجھوتے سے اسے خدائی بیر تھا۔ غالباً عربی دوم کی بات ہے کہ سالانہ تعطیل میں وہ نہ بستی گیا اور نہ بمبئی۔ چھٹی میں اپنے ہم سبق سہیل احسن فلاحی اور ان کے برادرِ خرد عزیزی طفیل احسن فلاحی کے گھر معروف پور (ضلع جونپور) چلا گیا۔ عبدالمبین وہاں رمضان بھر رہا اور مسجد میں تراویح پڑھائی۔ رمضان بعد واپس فلاح آ گیا۔ اس طرح گویا سال بھر وہ اپنے اہلِ خانہ سے کٹا رہا۔ اس مدت میں اس نے خفگی اور غم و غصے کی کیفیت سے اپنی خودی کی تعمیر شروع کر دی تھی، اس کی خودی جب خود اعتمادی کی سرحد میں داخل ہوگئی تو اس نے اپنے ہاسٹل کے کمرے ہی میں جلد بندی کا کام شروع کر دیا بلکہ اس نے اس کام میں خود کو جھونک دیا۔ کلاس کے علاوہ اس کے بیشتر اوقات جلد سازی میں صرف ہونے لگے۔ اس طرح وہ نہ جھکا اور نہ خود کو کسی کے سامنے بے بسی کے عالم میں پیش کیا بلکہ بڑے جتن سے اپنی اَنا کا محافظ بنا رہا۔ مرحوم عبدالمبین کی اس ایک ادا میں جفاکشی کی اتنی خوبیاں بھر گئی تھیں کہ ہمارے دلوں میں اس کا قد بڑھتا ہی چلا گیا اور ہم سبھی اس کی اَنا کے گرد ہالہ بنا کر مضبوطی سے کھڑے ہو گئے۔ مرحوم کے منشا کی خاموش تائید اور قدر ہمارے نگراں اساتذہ کے دلوں میں بھی ہمارے برابر ہی تھی، جبھی تو وہ سال بھر سے زیادہ یہ کام دارالاقامہ کے مشترکہ کمرے ہی میں بہ خوشی و خرم کرتا رہا۔

پھر حالات معمول پر لوٹ آئے۔ گھر والوں کا رویہ نرم پڑا اور تب ششماہی کی چھٹی میں وہ گھر والوں کے پاس بمبئی گیا۔ چھٹیوں بعد ہم فلاح لوٹے تو وہ کافی خوش اور مطمئن نظر آیا۔ گھر والوں سے مل کر اس کی شکایت رفع ہو چکی تھی۔ اس بار وہ ہم دوستوں کے لیے کنستر بھر کر بمبئی کی نان کھٹائی بھی لایا تھا۔ جلد سازی موقوف ہوگئی تھی اور وہ دوسرے ساتھیوں کی طرح معمول کی زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا۔ اسی دوران میں یا غالباً اس کے بعد اس کی شادی ہوگئی اور شادی کے بعد اس کی صحت فربہ مائل ہونے لگی تھی۔

مرحوم ندیم احمد فلاحی کی طرح عبدالمبین فلاحی بھی والی بال کا ایک اچھا کھلاڑی تھا۔ وہ جب تک رہا، فلاح میں والی بال کی اچھی ٹیم کا حصہ بنا رہا۔ طبیعت کے چلبلے پن کے سبب وہ ہر دل عزیز تھا اور دوستوں میں مقبول بھی! کہیں نہ کہیں یار باشی اس کے مزاج کا حصہ تھی، تبھی تو وہ تعلیم سے زیادہ حلقۂ احباب کے گیسو سنوارنے میں منہمک دکھائی دیتا تھا۔ یادش بخیر! فلاح کے اس زمانے میں جب ہم رو بہ شباب تھے اور خواہ مخواہ بہت کچھ کرنے کو جی چاہتا تھا تو ہم نے بہت کچھ کیا۔ ایک نیک کام تو یہی کیا کہ جی

کی صدا پر ہمیشہ بہ آوازِ بلند آمین کہتے رہے اور جی نے جب سرگوشی میں کہا کہ مزے کرو تو خوب مزے کیے۔ طرب اور نشاط کے سبھی لمحوں میں ہمارا اور مرحوم کا ساتھ رہا۔

عبدالمبین مرحوم نے قاری زبیر صاحب کی لائق استاذی میں فلاح سے حفظ مکمل کیا۔ بعد ازاں عالمیت کے پانچ سالہ کورس میں عربی اوّل سے وہ میرا ہم سبق رہا۔ عالمیت کے بعد اس نے بمبئی کا رخ کیا، جہاں اس کے ابا مرحوم کا کاروبار تھا۔ اس نے وہاں بلڈنگ میں پڑا وغیرہ ٹھیکے پر دینے کا کام کر رکھا تھا۔ عالمیت کی الوداعی تقریب میں ہم تمام احباب جمع ہوئے تو مرحوم اس میں ہمارے ساتھ پیش پیش نظر آیا۔ تقریب کے خاتمے پر جب ہم اپنے ہم سبق جناب قیام الدین فلاحی کے دولت کدہ پر دعوتِ شیراز اڑانے حاضر ہوئے تو عبدالمبین مرحوم وہاں بھی شہ رگ کی طرح ہمارے پاس ہی تھا۔ پھر ہم اپنی اپنی منزلوں کی طرف چل پڑے، ایسے کہ پھر کبھی اس کی صورت نہیں دیکھی اور اب تو قیامت کا انتظار ہے۔

عبدالمبین فلاحی کی شادی کے بعد اس کی جس عمدہ صحت کی آڑ میں ہم اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے اور بدلے میں زندگی سے بھرپور اس کے قہقہوں سے لطف اندوز ہوتے تھے، اسی صحت کو غارت گر شوگر نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ مرض دن بہ دن خوفناک ہوتا گیا۔ زندگی بھر من کی موج میں بہنے والا انسان بھلا شوگر کو کیا اہمیت دیتا۔ یہ مرض انسان سے عابد و زاہد کی طرح 'احتیاط' چاہتا ہے اور وہ احتیاط اور پرہیز کی شریعت سے بے نیاز ذرا غافل اور بے پرواہ طبیعت کا مالک تھا۔ صحت کی نزاکت سے بے نیاز وہ یہاں بھی غفلت کی چادر اوڑھے رہا یا پھر معلوم نہیں مرحوم نے اس موذی مرض سے کس طرح معاملہ کیا کہ گردے خراب کر بیٹھا اور بالآخر داعیِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے چل بسا۔ ہم رسمِ دنیا نبھاتے ہوئے روایتاً اہل خانہ سے صبر کی درخواست کرتے ہیں لیکن ایسے جی دار یارِ غار کی موت پر بھلا ہم سے صبر کیوں کر ممکن ہے۔

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے؟
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دِن اور

●●

نایاب خطوط

ذیل میں سابق قیم جماعت اسلامی ہند جناب محمد جعفر صاحب حفظہ اللہ کا ایک اہم خط بنام جناب سہیل بشیر کار صاحب (بارہمولہ، کشمیر) شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ ادارہ جناب سہیل بشیر کار صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ موصوف نے یہ خط ادارہ حیات نو کو بغرض اشاعت ارسال کیا، فجزاہ اللہ خیراً۔ توفیق خداوندی شامل حال رہی تو اس کالم کے تحت آئندہ بھی اہم اور نایاب خطوط کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا رہے گا۔ **(مدیر)**

بسم اللہ

برادر محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ آپ کا ارسال کردہ خط مورخہ ۷ ستمبر ۹۹ء محترم مولانا سراج الحسن صاحب امیر جماعت اسلامی ہند کے مطالعہ میں آیا۔ آج ہی اُن کا سفر درپیش ہے اس لیے ان کی ہدایت پر خط کی رسید اور چند باتیں عرض ہیں۔

آپ کی یہ بات درست ہے کہ بچپن سے ہی بچوں کا ذہن عبقری اور اسلامی رُخ پر ہونا چاہیے، اس کے لیے جگہ جگہ ایسی تعلیم گاہوں کا قیام ضروری اور مفید ہوگا جو جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی و دینی تعلیم کا بھی بچوں کے لیے نظم کریں۔ الحمدللہ اس کی کوشش کی جارہی ہے اور اس میقات میں تعلیمی بیداری اور تعلیم گاہوں کے نظم وغیرہ پر زیادہ توجہ مرکوز رکھنے کی بات جماعت نے طے کی ہے، ان شاء اللہ اس طرف خصوصی توجہ دی جائے گی۔

جماعت کے نزدیک ملت میں اتحاد کی ضرورت و اہمیت بھی مقدم ہے، چنانچہ اس جانب بھی توجہ دی جارہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ صدیوں کے زوال وانتشار کے باعث اس جانب خواہش کے باوجود مطلوبہ پیش رفت نہیں ہو پائی، تاہم مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ امت اگر اپنے نصب العین کے قریب آجائے تو اس کے ذریعہ اتحاد کا عمل بھی ان شاء اللہ ہوگا اور جماعت کی اصل کوشش یہی ہے کہ ملت کو نصب العین

کا صحیح شعور ہو اور اُس سے اُس کا لگاؤ کسی بھی درجہ میں ہو جائے۔

جماعت سے جو لوگ کسی اختلاف کی وجہ سے الگ ہوئے اُن سے بھی جماعت نے ربط و تعلق ختم نہیں کیا، بلکہ ربط مسلسل برقرار ہے اور اُن میں سے کچھ دوبارہ جماعت کے نظم میں باقاعدہ شریک بھی ہوئے ہیں، ان شاء اللہ آئندہ بھی ہوں گے۔ ہماری دوستی و دشمنی دین کی خاطر ہی رہے اسی پر جماعت کاربند ہے۔ خدا کرے اس کا یہ وصف ہمیشہ برقرار رہے۔

علماء کرام کی ہم ہر ممکن قدر افزائی کی کوشش کرتے ہیں، وہ جس مقام کے مستحق ہیں اُنہیں ضرور ملنا چاہیے۔ نہ ہم پیری مریدی کے قائل ہیں اور نہ علماء و صوفیاء کی بے قدری کے۔

آپ کی یہ بات بھی درست ہے کہ تحریکیں اپنے ابتدائی دور میں جس جوش و خروش اور سرگرمی کا مظاہرہ کرتی ہیں بعد میں یہ صفت برقرار نہیں رہ پاتی۔ جماعت کے اندر بھی ایسی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ یہ ایک فطری بات بھی ہے۔ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ ابتدائی دور میں کام نیا نیا اور محدود حلقہ میں ہوتا ہے تو نمایاں ہو جاتا ہے، بعد کے دور میں جب پھیلاؤ آتا ہے تو وسعت کی وجہ سے اتنا نمایاں نہیں ہو پاتا۔

آپ کی یہ بات غلط فہمی پر مبنی ہے کہ جماعت بہانے بنا کر جمہوریت کی صحت کی بات کرتی ہے۔ آپ نے مولانا مودودیؒ کی صرف ایک کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا موصوف کی تمام تحریروں کو جب آپ سامنے رکھیں گے تو آپ ان شاء اللہ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مولانا نے مغربی طرز جمہوریت اور اُس کے فلسفے اور جمہوریت فی الاصل اور انسانوں کے مابین جمہوری طرز عمل کی افادیت میں فرق کو ملحوظ رکھا ہے، خود اس کے قائل بھی رہے ہیں اور اس کی ضرورت و اہمیت واضح بھی کی ہے۔ جماعت بھی اُن جمہوری قدروں کی قائل ہے جو اسلامی اور انسانی نقطۂ نظر سے مفید ہیں۔

جماعت اپنے نصب العین پر الحمدللہ علی حالہ قائم ہے اور اس کے حصول کے لیے زور زبردستی یا زیرزمین کوششوں، تشدد وغیرہ کی قائل نہیں ہے بلکہ تبلیغ و تلقین، تعمیری، پرامن اور جمہوری طریقوں سے رائے عامہ کو ہموار کر کے اپنے مقصد و نصب العین کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔

ہم مشکور ہیں کہ آپ نے نصح و خیر خواہی کے جذبہ سے خط تحریر فرمانے کی زحمت کی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ محترم امیر جماعت اور دیگر رفقاء کی جانب سے سلام مسنون، والسلام

محمد جعفر

۱۹۹۹/۹/۱۹ء

دعوت نگر، دہلی۔۲۵

نعت پاک

آپ ہیں احمد ومجتبیٰ مصطفیٰؐ
آپ ہیں رہبر ورہنما مصطفیٰؐ
آپ کی مدح کرتا ہے سارا جہاں
ہے خدا مدح خواں آپ کا مصطفیٰؐ
ساری دنیا تھی ظلمت میں ڈوبی ہوئی
آپ نے اس کو بخشی ضیا مصطفیٰؐ
تیرے صدیقؓ وفاروقؓ وعثمانؓ علیؓ
آئینہ دار دینِ ہدیٰ مصطفیٰؐ
نعت کا حق ادا ہو بھلا کس طرح
مدح وتوصیف سے ماورا مصطفیٰؐ
آپ سے بے رخی سر بسر گمرہی
عالمی دائمی پیشوا مصطفیٰؐ
آپ کی ذات سارے مسائل کا حل
آپ ہیں ہر مرض کی دوا مصطفیٰؐ
سید المرسلیں شاہ دنیا ودیں
مختصر یہ کہ بعد از خدا مصطفیٰؐ
آرزو ہے کہ زندہ رہوں جب تلک
نام لیتا رہوں آپ کا مصطفیٰؐ
جب ہو عارف کا یارب دمِ واپسیں
لب پہ اس کے رہے مصطفیٰ مصطفیٰؐ

احسان الحق عارف آئمی

غزل

اسی صورت میں اس کو یاد رکھنا چاہتے ہیں ہم
سو اپنے آپ کو برباد رکھنا چاہتے ہیں ہم
فصیلیں منہدم ہونے لگی ہیں چھت ٹپکتی ہے
نئے رشتے کی اب بنیاد رکھنا چاہتے ہیں ہم
نہ ہم سے مانگ دستارِ خودی اے وقت رہنے دے
بچا کر ورثہ اجداد رکھنا چاہتے ہیں ہم
چراغوں کو نہیں رکھا جلا کر بند کمروں میں
اجالوں کو سدا آزاد رکھنا چاہتے ہیں ہم
نگل جائے گی ویرانی در و دیوار کی رونق
تری یادوں سے دل آباد رکھنا چاہتے ہیں ہم
انہی کا ہاتھ شامل ہے چمن برباد کرنے میں
جو کہتے تھے چمن آباد رکھنا چاہتے ہیں ہم
ہر اک حد سے محبت میں گزرنے کی تمنا ہے
دلوں میں جذبہ فرہاد رکھنا چاہتے ہیں ہم
خدا رکھے سلامت دوستوں کو جو یہ کہتے ہیں
تجھے نوشاد اشہرؔ شاد رکھنا چاہتے ہیں ہم

نوشاد اشہرؔ اعظمی، بلریا گنج۔اعظم گڑھ

غزل

کوئی چراغ نہیں گل نہیں ستارہ نہیں
سوادِ جاں پہ کہیں زیست آشکارہ نہیں!
سراب آگہیں ثقافت کی درسگاہیں ہیں
وہ آنکھیں سبز روایات کا ادارہ نہیں!!
تو کیا! میں اہل نہیں دشت کی ریاضت کا!
تو کیا! جنوں کا کوئی مجھ میں استعارہ نہیں!!
رواں ہے ہم میں رویوں کا ایک سرد بہاؤ
ہماری خاک میں اندیشہ ِ شرارہ نہیں
تو! جن پہ جھول رہا ہے ہوس کی بانہیں ہیں!
وفا کی ڈور، محبت کا گوشوارہ نہیں!!
تمہیں خبر تو ہے! جل اٹھتی ہے قبائے وجود
نہیں! وہ خواب مری آنکھیں! اب دوبارہ نہیں!!
میں اپنی مرضی سے یک لحظہ بھی گزار سکوں!!
حیات! اتنا بھی تجھ پر مرا اجارہ نہیں؟
تمام رنگ ہیں وحشت کے مجھ میں ہونے سے
دھواں نہ ہو جو نظر میں،تو پھر نظارہ نہیں!!

ارشد جمال صارمؔ، مالیگاؤں

تعارف وتبصرہ

اسلام کے قلعے۔دینی مدارس : ترمیم اور اصلاح کی ضرورت

مصنف: پروفیسر محسن عثمانی ندوی

صفحات: ۴۸، **قیمت**: ۳۰

مطبع: بھارت آفیسٹ ،گلی قاسم جان۔دہلی ۱۱۰۰۰۶

مبصر: محمد اسعد فلاحی

یہ بات تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلّم ہے کہ مدارس، ملت اسلامیہ کا قیمتی اثاثہ اوراس کی اہم بنیادی ضرورت کی تکمیل کا کام انجام دیتے ہیں۔یقیناً ملک میں ان کی ایک روشن تاریخ ہے۔ان کی اہمیت سے کوئی انکارنہیں کرسکتا۔تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملت کی بقااوراس کے تشخص کو باقی رکھنے میں ان کا اہم رول رہاہے۔مدارس کے سلسلے میں اس حقیقت کوبھی تسلیم کیا جانا چاہیے کہ وہ خامیوں سے مبرّ انہیں ہیں۔ان کی موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ نظام اورنصاب دونوں اعتبار سے بہت کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے۔اسی لیے فارغین مدارس کی ایک بڑی تعدا لاشعوری کے اندھیروں میں غرق اورعصری تقاضوں سے ناواقف ہوتی ہے۔مدارس میں دین کے بجائے مسلک سکھایا جاتا ہے، اسی لیے فارغین مدارس کی اکثریت دنیا سے بےخبر اور مسلک کے تعلق سے تنگ نظری کا شکار نظر آتی ہے۔مدارس کو موجودہ وقت میں مختلف چیلنج درپیش ہیں۔''ملک کے اندر'صولتِ بزم کافری اور رقصِ بتانِ آزری' کا منظر اسٹیج کیا جانے والا ہے۔سرکاری تعلیم پرزعفرانی رنگ چڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے، گیتا کوقومی کتاب قرار دینے کی تجویز پیش کی جاچکی ہے۔اس شورش طوفاں کوروکنے کے لیے کچھ نئی صلاحیتوں کی ضرورت ہے، یہ وہ چیلنج ہے جسے علما کوقبول کرناہی ہوگا''۔(ص۔۱۰)

زیرِنظر کتاب پروفیسر محسن عثمانی ندوی کی اپنے موضوع پرایک اہم تصنیف ہے۔اس میں مدارس میں پائی جانے والی خامیوں کواجاگر کیا گیا ہےاوران کے ازالے کے لیےتجاویز اورمشورے پیش کیے

ہیں۔فاضل مصنف نے کئی مدارس سے تعلیم حاصل کی ہے اور بہت سے تعلیمی اداروں میں بہ حیثیتِ معلم اپنی خدمات انجام دی ہیں۔موصوف نے اس تحریر میں علما اور دینی مدارس کے فارغین کو اپنا مخاطب بنایا ہے اور اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے۔انہوں نے ان سے مطالبہ کیا ہے کہ ہندوستان کے مستقبل کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے خوش آئند بنانے کے لیے وہ اہم رول ادا کریں۔امید ہے کہ یہ تحریر علما اور ذمہ دارانِ مدارس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے گی اور وہ اپنا مطلوبہ کام انجام دیں گے۔

فکر

شاعر:اطہر اعظمی

صفحات:156،**قیمت**:200روپے،**اشاعت**:2016

ناشر:اطہر اعظمی،341/19اے گیٹ نمبر 5مالونی،ملاڈ،ویسٹ ممبئی۔95

تبصرہ:سعیداختر اعظمی

شعر گوئی کی بنیاد بہمنی سلطنت میں سولہویں صدی کے دوران پڑی۔شمالی ہند میں پہلا شعری مجموعہ 1722میں منظر عام پر آیا جو ولی دکنی کا تھا۔یہاں شعر گوئی کی ابتدا1702بتلائی جاتی ہے۔بعدازاں مختلف شعراء نے اس میدان میں اپنے فن کے جوہر دکھلائے۔شاعری صرف گل وبلبل،رقص جام ومینا اور حلقہ زلف گرہ گیر کا نام نہیں،یہ تو حالات حاضرہ اوراحوال من وتو کا اعلامیہ ہے۔اطہر اعظمی اسی حوالے کو معتبر کرنے والوں میں سے ہیں۔انھوں نے عام بول چال کے الفاظ اور سہل تراکیب کو اپنا کر اسے وقار بخشا ہے۔ان کا ایقان ہے کہ وہی شاعری مقبولیت کی معراج پاسکتی ہے جو عام فہم ہو اور زبان زد خاص وعام بننے کی اہلیت رکھتی ہو۔'فکر' اطہر اعظمی کا دوسرا سخن بیانیہ ہے جو تقریباً ایک صد غزلوں، منظومات وقطعات پہ مشتمل ہے۔سلاست الفاظ کا سہارا لے کر انھوں نے بحسن وخوبی اپنے جذبات واحساسات کی ترسیل کی ہے۔بطور نمونہ چند اشعار۔

عشق دنیا نے غلط سمت فراہم کی ہے — پھیر کر رخ مرا اب سوئے حرم لے آؤ

....

سزائے کفر میں جو قتل ہوگیا اطہر — بوقت قتل وضو سے وہ جسم گیلا تھا

....

جب سے گلوں میں نقل کی آمیزشیں ہوئیں — گلشن میں اصل رنگ کا منظر نہیں رہا

....

بھوک تھی نونہال کو،لیکن ماممتا مطمئن تھی رونے تک

....

انگلیاں اٹھنے لگیں جب آپ کے کردار پر اپنی خوبی سے اجاگر اُن کی خامی کیجیے

....

رعیت کی لگی ہے آہ جس کو وہ شہزادہ بھکاری ہو گیا ہے

....

ہارنا تو ترا مقدر تھا سچ نہیں، جھوٹ کو گواہ کیا

رومانی وفور کی کارفرمائی میں وہ دیگر شعراء سے پیچھے نہیں ہیں۔اسے انھوں نے خوبصورتی سے لفظوں کے قالب میں ڈھالا ہے۔یہ اشعار دیکھیے۔

دوری قربت سے بہتر ہے میرا جو محبوب نہیں ہے

....

محور آرزو مرمریں ہے اگر جذبہ عشق چاندنی کیجیے

....

ہونٹوں سے جام عشق لگانے کی دیر تھی میزان زندگی کا ادب مل گیا انھیں

....

ادائے عشق منور جہان کردے گی صنم کدوں میں اخوت اذان کردے گی

غزل کو عوامی اسلوب عطا کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کی لطافت وسلاست مجروح نہ ہو۔یہاں ہندی تراکیب،نامانوس الفاظ،غیر فصیح ونا موزوں آہنگ کے سبب ایسا ہی ہوا ہے۔چند رنگ ملاحظہ ہوں۔

بزم آداب دھماکوں سے لرز جانے دو ذہن کی راہ سے اشعار کے بم لے آؤ

....

دوڑ سکتی ہے ترقی ملک میں شاہراہوں کو ڈبل ہو جانے دو

....

پُرخطر ہے رہگزر تو ساودھانی کیجیے جس جگہ پر ہو ضروری تیز گامی کیجیے

....

آپدا میں بن کے سیوک بانچھ کیسے کھل گئی ہے

....

ہوتا ہے بغض کھیت کو جس طرح میڑ سے یہ فن جوان سیکھیں ضعیف وادھیڑ سے

ایسے اشعار کی تعداد خاصی ہے جو قرأت سخن کے دوران کوفت کا باعث بنتے ہیں۔بہتر ہوتا کہ بیت غزل کی تعداد کم کر کے فضائے غزل کو بوجھل ہونے سے بچا لیا جاتا۔

آپ کے خطوط

امتیاز وحید،شعبۂ اردو،کلکتہ یونیورسٹی

سال دو سال کے قلیل عرصے میں،فلاح میں میرے دو ہم سبق رفیق جناب ندیم احمد فلاحی اور جناب عبدالمبین فلاحی ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔اللہ انھیں غریقِ رحمت کرے۔آمین!

ندیم کی یادوں پر مبنی ایک وفیاتی خاکہ بغرضِ اشاعت بھیج چکا ہوں۔' آج تم بے حساب یاد آئے' یہ دوسرا خاکہ نما احوال حاضر ہے۔یہ دونوں بڑے یار باش اور پکے دھن کے انسان تھے۔ان دونوں تحریروں کا ایک معنوی سیاق تو یہی ہے کہ یہ حضرات فلاحی ہیں،دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اس طرح کی یادیں عام طور پر بڑے،مقبول اور مقتدر اصحاب علم کے لیے ہی لکھی جاتی ہیں،خوبیاں عام بلکہ حاشیے پر زندگی گزارنے والوں میں بھی اتنی ہی ہوسکتی ہیں جتنی کہ کسی غیر معمولی علمی شخصیت میں ممکن ہیں۔یہ دونوں تحریریں عام خوبیوں کے حامل عام انسانی زندگی کے احاطے پر مبنی ہیں۔معلوم نہیں ہم نے انسانوں کو اہم،بامعنی اور غیر اہم،بے معنی کے خانوں میں تقسیم کرنے کی تحریک کہاں سے پائی ہے۔یہ دراصل فرنگی ذہنیت کا نتیجہ ہے۔استعماری نظام کا خاتمہ ہوگیا اوراب جبکہ ساری دنیا میں حاشیائی کردار کو مرکز میں لانے کی جدوجہد کی جارہی ہے،ہمارے لیے فلاح کا کوئی پروردہ غیر اہم کیسے ہوسکتا ہے۔فلاح سے وابستہ ایک ایک فرد قیمتی ہے۔ممکن ہو تو اس روایت کی بناڈالیے۔میرے لیے بقول اقبالؒ ع

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

عبدالرحیم الرشید احمد،کوسہ ممبرا۔ممبئی

علم ایک ایسی روشنی ہے۔جس کو حاصل کرنے کے بعد انسان کی زندگی روشن ہو جاتی ہے۔اور یہ علم جس کے پاس نہیں ہوتا ہے۔اس کی زندگی تاریک ہو کر رہ جاتی ہے۔اس ترقی یافتہ دور میں علم کی روشنی کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے جہاں اور بہت سے ذرائع ہیں۔وہیں ماہنامے،کتابیں اور سہ ماہی

رسالے بھی شامل ہیں۔

ان ہی رسالوں میں عہد جدید میں انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان جریدہ حیات نو بھی ہے، جو اپنے مخصوص انداز واسلوب کے ساتھ ہر ماہ ملت کے متفکر افراد کے احساسات وخیالات کو اپنے قارئین کو پہنچاتا ہے۔ جس میں عصر حاضر کے الجھے ہوئے موضوعات ومسائل، اسلامی اسلاف کی تاریخ، جامعہ کے لیل ونہار، اشخاص کے خطوط، مدیر صاحب کی عصر جدید پر رائے وبات کو پُر اثر انداز سے اپنے قارئین کو مستفیض کرتا ہے۔

جریدہ حیات نو میں موجود مضامین کو پڑھ کر زندگی کے مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کا شعور ملتا ہے، بلکہ مزید ترقی اور مشکلات پر قابو پانے کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ذہن ایک سلیٹ کی مانند صاف شفاف ہوتا ہے، اور مطالعہ کتب کے ذریعے اس سلیٹ پر حروف کندہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ حروف جو زندگی گزارنے میں نہ صرف معاون ومددگار بن جاتے ہیں۔ بلکہ ایک ایسی چھڑی کا کام دیتے ہیں جسے پکڑ کر زندگی کی شاہراہ پر بآسانی گزرا جا سکتا ہے۔

جریدہ حیات میں شامل مختلف مضامین قارئین کے دماغ کی سوئی ہوئی قوتوں کو نہ صرف بیدار کرتے ہیں، بلکہ ان کی پرورش بھی کرتے ہیں۔

اس لیے عہد جدید میں جریدہ حیات نو میں شامل مضامین کا مطالعہ عصر حاضر کے مسائل سے واقفیت وآگاہی کا بہترین ذریعہ ووسیلہ ہے، بلکہ دماغ کو شعور اور ذہنی آسودگی پہنچانے کا ایک بہترین ذریعہ بھی ہے۔

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبۂ اعلیٰ، جامعۃ الفلاح

نئے تعلیمی سیشن کا آغاز

۲۴/جون ۲۰۱۸ء بروز یکشنبہ جامعہ کے نئے تعلیمی سیشن کا آغاز ہوا۔ ۲۵/جون سے ضمنی امتحانات کا آغاز ہوا اور ضمنی امتحانات ۲/جولائی تک جاری رہے۔ اسی طرح داخلہ وتجدید داخلہ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ۳۰/جون ۲۰۱۸ء بروز شنبہ سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ تاخیر سے آنے والے طلبہ پر غرامہ عائد کیا گیا۔

مہمانوں کے ہمراہ ناظم جامعہ کی ایک نشست

۲۷/جون ۲۰۱۸ء بروز چہارشنبہ جامعہ کی مرکزی لائبریری کے ہال میں مہمانوں کے ہمراہ ناظم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے ایک نشست کی۔ مہمانوں نے اپنے تأثرات اور احساسات پیش کیے۔ ناظم جامعہ نے مہمانوں کے سوالات کے جوابات دیے اور فرمایا کہ یہ ادارہ اختلافات سے بالاتر ہے، یہاں طلبہ کے ساتھ ساتھ طالبات کی بھی اعلیٰ تعلیم کا نظم ہے۔ سرپرست حضرات اپنے بچوں کے سلسلے میں ہم سے مسلسل ربط میں ہیں تاکہ بچوں کے بارے میں معلومات فراہم ہو۔ نشست کی نظامت کے فرائض نگران اعلیٰ جناب مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نے انجام دیے، اس پروگرام میں مہمانوں کے ساتھ ساتھ اساتذہ جامعہ نے بھی شرکت کی۔

جامعہ میں داخلہ ٹسٹ

۲۷/جون ۲۰۱۸ء بروز چہارشنبہ جامعہ میں داخلہ ٹسٹ ہوا، جس میں ۴۵/طلبہ اور ۹۴/طالبات نے کامیابی حاصل کی، اس ٹسٹ میں کامیاب ہونے والے طلبہ اور طالبات کی فہرست درج ذیل ہے:

درجات	طلبہ	طالبات
حفظ ششم	۴	۱۹

حفظ ہشتم		۲
درجہ ششم	۳	۶
درجہ ہفتم		۲
درجہ ہشتم	۱	۱
عربی اول	۲۱	۴۵
عربی دوم	۲	۳
عربی سوم		۴
عربی چہارم	۱۰	۱۱
عربی پنجم	۳	
فضیلت سال اول	۱	۱
کل میزان	۴۵	۹۴

اسی طرح ناکام طلبہ وطالبات کا جائزہ لے کر نچلے درجہ میں داخلہ ہوا۔ اس کے علاوہ مزید نئے آنے والے طلبہ وطالبات کا انفرادی جائزہ لے کر داخلہ ہوا اور یہ سلسلہ ۱۲؍جولائی ۲۰۱۸ء تک جاری رہا۔

مہتمم جامعہ کی تذکیر

۳۰؍جون ۲۰۱۸ء بروز شنبہ ابواللیث ہال میں تعلیم کے پہلے دن مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلے دن سے ہی آپ محنت شروع کردیں اور نظم وڈسپلن کا پاس ولحاظ رکھیں۔ دوران تعلیم اپنے درجوں میں ہی بیٹھیں۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

نگرانِ اعلی کی تذکیر

یکم جولائی ۲۰۱۸ء بروز یکشنبہ بعد نماز عشاء جامعہ کی مسجد میں نگران اعلی جناب مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب کی ایک تذکیر ہوئی جس میں نگران اعلی نے تمام طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ نماز سب سے اہم چیز ہے، توحید ورسالت کے بعد نماز کا نمبر ہے، اس لیے آپ لوگ نمازوں کی پابندی کریں اور مسبوقین میں شامل نہ ہوں۔ جامعہ کا ایک نظام ہے اس کو برقرار رکھیں، یہاں نظم وڈسپلن کے ساتھ رہیں، اسی کے ساتھ ساتھ صفائی ستھرائی کا بھی اہتمام کریں، کیونکہ صفائی نصف ایمان ہے۔ یہ

وقت بہت قیمتی ہے، ایک لمحہ کو بھی آپ ضائع نہ کریں، بلکہ وقت کا صحیح استعمال کریں۔

نئے طلبہ کو ایس آئی او آف انڈیا کی جانب سے استقبالیہ

۴/جولائی ۲۰۱۸ء بروز چہارشنبہ جامعہ کی مسجد میں بعد نماز مغرب ایس آئی او فلاح یونٹ کی جانب سے ایک استقبالیہ پروگرام کا انعقاد ہوا۔ برادر محمد آصف (عربی پنجم) کی تلاوت قرآن پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ محمد ابراہیم خان فلاحی نے ترانہ تنظیم پیش کیا۔

صدر حلقہ ایس آئی او یوپی مشرق برادر محمد رافع فلاحی صاحب نے ایس آئی او کا تعارف پیش کیا۔ برادر مصدق مبین (مدیر ماہنامہ چھاترومرش وسی اے سی ممبر ایس آئی او آف انڈیا) نے اپنے خصوصی خطاب میں فرمایا کہ آپ کے سامنے ہمیشہ ایک عظیم مقصد ہونا چاہیے، معاش کو اپنا مقصد نہ بنائیں ورنہ تعلیم کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، اسی طرح آپ کو ہر چیز کی تھوڑی تھوڑی معلومات ضرور ہونی چاہیے، البتہ کسی ایک میدان میں مہارت حاصل کریں۔ زبان میں مہارت حاصل کریں، عربی، ہندی، اردو اور انگریزی میں عبور حاصل کریں۔ اسی طرح ہم اپنے اندر تقوی پیدا کریں، اچھے اخلاق کے حامل بنیں۔

ناظم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے زادراہ میں فرمایا کہ آپ طالب علم ہیں اور طالب علم مجاہد ہوتا ہے اور مجاہد کی مدد خود اللہ کرتا ہے، اس لیے آپ مجاہد بن کر دکھائیں، اللہ آپ کی مدد کرے گا اور کسی ایک فن میں مہارت کا عزم کرلیں، اور جامعہ میں مسابقہ کا ماحول پیدا کریں۔

کلمات تشکر فلاح یونٹ کے صدر برادر عبداللہ امین (فضیلت سال دوم) نے پیش کئے۔ برادر محمد اشہد (فضیلت سال دوم) نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ اسی طرح اس موقع پر ایس آئی او فلاح یونٹ کی جانب سے جامعہ کی مسجد میں بعد نماز عصر حدیث سنانے پر برادر عفیف سردار (عربی سوم) کو انعام دیا گیا۔

استاد محترم مولانا محمد عمران فلاحی صاحب کو صدمہ

بتاریخ ۲ رجولائی ۲۰۱۸ء کو استاد محترم مولانا محمد عمران فلاحی صاحب کی اہلیہ محترمہ کا بلریا گنج، اعظم گڑھ، میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا جامعۃ الفلاح کے سینئر فلاحی اساتذہ میں سے ہیں۔ جامعۃ الفلاح میں ان کی طویل تدریسی وانتظامی خدمات ہیں۔ رفیقہ حیات کی رحلت سے انہیں شدید صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس مشکل گھڑی اور رنج وغم کے اس موقع پر مولانا اور ان کی اولاد واحفاد کو صبر وسلوان کی نعمت سے سرفراز کرے۔ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

ہم مولانا کی زندگی میں یکسوئی اور تسلسل، حسن کارکردگی اور جفاکشی دیکھتے ہیں۔ یہ ان کی شریک حیات کا ہر معاملے میں تعاون اور خوش گوار فضا میں خدمت کا عکاس ہے۔ گھر کے افراد کے اندر اسلامی رنگ، اولاد واحفاد میں دین سے محبت اور تحریک اسلامی سے گہرا ربط دکھائی دیتا ہے۔ گھر کے اندر اور باہر اس خوش گوار دینی رنگ میں مرحومہ کی تڑپ اور خدمات کے ثمرات محسوس ہوتے ہیں۔

موت سے کسی بھی نفس کو مفر نہیں ہے انبیاء وصلحاء سب کو اس سے سابقہ پڑا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَما الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلاَّ مَتَاعُ الْغُرُورِ.

اللہ ہم سب کو صبر واستقامت کی توفیق دے اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا حوصلہ و جذبہ عطا کرے۔ آمین۔

والسلام

انعام اللہ فلاحی

سکریٹری انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

۴ رجولائی ۲۰۱۸ء

صدر انجمن کا تعزیتی مکتوب

برادمحترم مولانا عمران احمد فلاحی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

آپ کی اہلیہ محترمہ کی رحلت کی خبر ہم سب کے لیے انتہائی صدمہ اور تکلیف کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آپ کو اور آپ کے بچوں کو اس عظیم حادثے پر صبر وشکر کی توفیق دے۔ آمین

ہم سب کو اللہ نے اس دنیا میں جو مہلت عمل عطا کی ہے، اسے پورا کر کے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ ہم میں ہوش مند لوگ وہ ہیں، جنہوں نے اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھا اور آخرت کی زندگی کی بہتری کے لیے عمل کیا۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ان للہ مااخذ ولہ ما اعطی وکل شیء عندہ بأجل مسمی فلتصبر ولتحتسب۔

اللہ کے لیے ہے جو اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے عطا کیا ہے اور ہر چیز کا اس کے یہاں ایک وقت مقرر ہے پس صبر کریں اور اللہ سے اجر کی امید رکھیں۔

والسلام

آپ کا بھائی

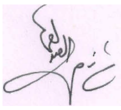

مشرف حسین صدیقی

صدر انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

۵؍جولائی ۲۰۱۸ء